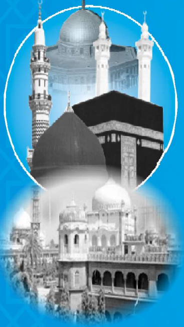
یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار رضی اللہ عنہم



اکابرین اہل سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

جنوری تا مارچ 2023ء — جمادی الاخریٰ تا شعبان 1444ھ

143 تا 145

یہ بعض انبیاء کے کچھ واقعات کی آسان فہم حقیقت ہے۔ بعض لوگ جنھیں لوگ مؤرخ سمجھتے ہیں، یا کچھ قلم کار ہیں یا کسی جماعت کے لیڈر ہیں وہ ان واقعات کو لے کر نبیوں پر کیچڑ اُچھالتے ہیں۔ یاد رکھیے! کوئی مؤرخ ہو، قلم کار ہو، لیڈر ہو، چاہے بظاہر مولوی ہو، پیر ہو، دین دار لگتا ہو، صاحبِ علم دکھائی دیتا ہو، اگر وہ نبیوں پر کیچڑ اُچھالے تو ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اُس سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ اور اُس بے اَدب کا دفاع کرنے کے بجائے انبیاء کرام علیہم السلام کا دفاع کیا جائے۔ اُس شخص سے، اُس کی تحریر و تقریر سے، اُس کی جماعت و تنظیم سے، اُس کے غلط اَفکار و نظریات سے مکمل طور پر الگ اور جدا رہنا شرعی فریضہ ہے۔ [انبیاء کی عصمت اور پاکدامنی آسان فہم انداز میں: ۳۴]

☆......☆......☆

حضرات صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے متعلق اہل حق کا ان باتوں پر اتفاق ہے۔ یاد رہے کہ حضرات صحابہ کرام کا معاملہ نہایت نزاکت واہمیت کا حامل ہے، یہ حضرات دودھاری تلوار کے مانند ہیں کہ ایک طرف اگر ان کے ساتھ سچی عشق ومحبت، خیر وبھلائی کے ساتھ ان کا تذکرہ اور ان کی تابعداری دینی واُخروی لحاظ سے فوز وفلاح کا بڑا اور اہم ذریعہ ہے تو دوسری طرف ان کے ساتھ بغض وعداوت، تنقید وتنقیص کے ساتھ ان کو یاد کرنا اور ان سے اعراض وتنفر کرنا دنیا وآخرت، دونوں میں لعنت وہلاکت کا خطرناک سبب ہے، جس کی وجہ سے لاکھوں افراد دین اسلام ہی کو سلام کر کے جہنم کے مستحق بن چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی سچی دلی محبت نصیب فرمائیں اور ان کے عقائد واخلاق میں سے کچھ حصہ عطاء فرمائیں۔ [صحابہ سے متعلق جمہور امت کے عقائد: ۴۱]

بیاد
محدثِ عرب وعجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید: سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرۃ مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

بفیضان
مظہر شریعت وطریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ
حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز: شیخ العرب والعجم حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مظہریہ دار المطالعہ سوہدرہ جہان
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

یا اللہ مدد

عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد
شانِ رسالت ﷺ زندہ باد

اصلی کلمۂ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

مقامِ صحابہ زندہ باد
مقامِ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ زندہ باد

حق چار یارؓ

بیاد
محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امامِ اہلِ سنت تلمیذ حضرت مدنی شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید خلیفہ مجاز
امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

اکابر اہلِ سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا
سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہلِ سنت وکیلِ صحابہؓ
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید خلیفہ مجاز
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مجلّہ

صفدر

بیاد

مفسرِ قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ

فقیہ العصر ترجمانِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

شیخ المشائخ امام الاولیاءؒ حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ

فخرِ اہلِ سنت وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ

حکیم العصر شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ

امینِ ملت مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ

پاسبانِ مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ

ترجمانِ مسلکِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ

وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ

جانشینِ شہیدِ اسلام محقق العصر سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا
وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیرِ طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا
حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

نگران
وکیلِ احناف مناظرِ اسلام حضرت مولانا
مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب مدظلہ

مدیرِ اعلیٰ
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی
0301-7790908

مدیرِ مسئول
مولانا احسن خدامی
0320-4902150

مدیر
حمزہ احسانی
0307-5687800

فی شمارہ	100	زرِ سالانہ	600

برائے رابطہ: مکان نمبر 4 گلی 82 محمود سٹریٹ محلہ سردار پورہ، اچھرہ لاہور 0312-4612774

فہرست

اعلان: مجلّہ صفدر شمارہ نمبر 139 تا 142 (ستمبر تا دسمبر ۲۰۲۲ء......صفر تا جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ) چار ماہ کا شمارہ ایک اہم عنوان پر مختصر خصوصی اِشاعت کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ جس کے مضامین تا حال زیر تکمیل ہیں۔ مضامین کی تکمیل کے بعد اِن شاءاللہ شائع کیا جائے گا۔ جبکہ زیرِ نظر شمارہ (143 تا 145 ......جنوری تا مارچ ۲۰۲۳ء...... جمادی الاخریٰ تا شعبان ۱۴۴۴ھ) تین ماہ کی اشاعت پر مشتمل ہے۔ آئندہ شمارہ اپریل ۲۰۲۳ء......رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ کا ہوگا۔ ان شاءاللہ

ادارہ صفدر

حمزہ احسانی

زیرِ تعمیر مجتہد.... مولانا مفتی محمد رضوان اِدارہ غفران پنڈی والے

مجلّہ ''صفدر'' کے شمارہ نومبر، دسمبر 2020ء میں ہم نے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کے ایک بیان پر نقد کرتے ہوئے اہل تشیع کے چند حوالہ جات نقل کیے تھے، اور حاشیہ میں لکھا تھا کہ:

''شیعوں کی طرف سے تحریف قرآن کا عقیدہ تسلیم کرنے کے یہ حوالہ جات مولانا منظور احمد مینگل اور مولانا مفتی محمد رضوان [راولپنڈی] کو بھی دعوتِ غور وفکر دے رہے ہیں، ہر دو حضرات آج کل اپنی قوت اِس بات پر صرف کرنے میں مگن ہیں کہ: شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔ **فیاللعجب**''[ص:۱۰]

جس کے جواب میں ''التبلیغ'' کے آئندہ شمارے میں مولانا رضوان نے عملاً اِس بات کا بھرپور طریقے سے ثبوت دیدیا تھا کہ واقعی وہ آج کل اہل تشیع کی ناجائز وکالت اور بے جا دفاع میں ''مگن'' ہیں۔

اَب چند ماہ سے مفتی رضوان صاحب اور مولانا عبدالجبار سلفی زید قدرہ کا تحریری مباحثہ چل رہا ہے، جس میں ہمارا دعوی روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا ہے۔ اِس مباحثہ کے بارے میں بندہ کے تاثرات:

۱- مفتی رضوان صاحب کی تمام تر گفتگو سے شیعیت کو فائدہ اور سنیت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

۲- مفتی رضوان صاحب کی تحریر میں کئی چیزیں بالکل غیر سنجیدہ اور انتہائی مضحکہ خیز ہیں۔

۳- مفتی رضوان صاحب کا موقف اِس میدان کے محققین اہل سنت دیوبند کے خلاف ہے۔

۴- مفتی صاحب کو اِس میدان کے محققین اہل سنت دیوبند کی نہ دیانت پر اعتماد ہے نہ فہم پر!

۵- مفتی صاحب خود کو اِس میدان کے جمہور محققین سے زیادہ ''معتدل ومحقق'' باور کراتے ہیں۔

۶- مفتی رضوان صاحب کا نظریہ شیعہ مذہب کے اُصولوں سے ناواقفیت یا تجاہل پر مبنی ہے۔

۷- مفتی رضوان صاحب کی تحریر بزبان حال یہ کہہ رہی ہے کہ: جتنا وہ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کو جارح، الزام تراش اور دشنام طراز باور کرانا چاہتے ہیں، اِس سے کہیں زیادہ تو وہ خود ہیں۔ گویا کہہ رہے ہیں کہ: ''ہم کسی سے کم نہیں!'' البتہ اِس غیر سنجیدہ گفتگو میں اطمینان کا پہلو یہ ہے کہ مفتی رضوان صاحب نے سنجیدگی، شرافت اور اَخلاقیات کا جو لبادہ اوڑھ رکھا تھا، وہ اُتر رہا ہے اور اُن کی اَصلیت ظاہر ہو رہی ہے۔

مفتی صاحب کی روز بروز نئی نئی، رنگ برنگی تحقیقات دیکھ کر ایک حقیقت شناس دوست نے کہا تھا کہ: ''وہ زیرِ تعمیر مجتہد ہیں۔'' مجھے اُس دوست کے اِس تجزیئے سے اتفاق ہے۔ [۱۲/ شعبان ۱۴۴۴ھ]

پیام صفدر (اداریہ) مدیر کے قلم سے

توہین صحابہ واہل بیت کا جرم: سزا میں اضافے کا بل!

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ!

ملکِ عزیز پاکستان بنانے کے لیے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا نعرہ لگایا گیا۔ اور عوام وخواص کو یہی باور کرایا گیا کہ اِسلام کے نام پر بننے والا یہ ملک صحیح اسلامی اَقدار اور اسلامی نظام کا نمونہ ہوگا۔ لیکن اہلیانِ پاکستان کی بدقسمتی کہ روزِ اول سے ہی ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی جانب اُٹھنے والے ہر قدم کو روکا گیا، ہر آواز کو دبایا گیا اور ہر اِقدام میں رکاوٹیں ڈالی گئیں، قادیانی وزیر خارجہ کا تقرر، بیرون ممالک قادیانی سفراء کی تعیناتی اور اندرون وبیرون ملک قادیانی و دیگر اسلام وملک دشمن عناصر کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کر کے کلمہ طیبہ کے وفادار ومخلص مسلمانوں کو ہمیشہ دیوار سے لگانے کی کوشش کی گئی۔

جن لاکھوں مسلمانوں نے اپنے گھربار، دوکانیں وجائیدادیں، زمینیں اور مال مویشی اور علاقے و عہدے کلمۂ اسلام کی خاطر چھوڑ دیئے اور اپنے مال، جان حتی کہ عزتوں کی قربانیاں دے کر یہاں آئے، اُن کی قربانیوں اور خون کے ساتھ غداری کرتے ہوئے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی جانب کوئی پیش قدمی نہیں کرنے دی گئی۔ آج تک اصلی کلمہ اسلام کے دشمن اِس ملک کو اُس مقصد کی جانب نہیں بڑھنے دے رہے جس ''مقصد'' کے نام پر یہ ملک بنایا گیا اور جس کے سبز باغ مسلمانوں کو دکھائے گئے۔

ناموس رسالت کے قانون پر یہود ونصاریٰ کو پریشانی کیوں؟

یہود ونصاریٰ ہوں یا اُن کے پروردہ وپیدا کردہ فتنے، کسی کو اِس ملک میں نظام خلافت راشدہ کا نفاذ منظور نہیں۔ ناموس رسالت سے متعلق قانون ہو یا ناموس صحابہ کا بل، ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے منکرین ومخالفین بدکتے اور غراتے دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ ناموس رسالت سے متعلق قانون صرف کسی ایک نبی کی ناموس سے متعلق نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ناموس کے تحفظ پر مشتمل ہے۔ یہ قانون جیسے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے تحفظ کا سبب ہے، ایسے ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ناموس کے تحفظ کا بھی سبب ہے۔ لہٰذا اِس پر یہود ونصاریٰ کو مطمئن اور خوش ہونا چاہیے تھا کہ جن اَنبیاء کے وہ نام لیوا ہیں، اُن کی ناموس کے تحفظ کا قانون پاکستان میں موجود ہے، لیکن بدقسمتی سے یہود ونصاریٰ کو مذکورہ انبیاء کی ناموس اور محبت سے کوئی سروکار نہیں، بلکہ اُن کی تمام تر توجہات کا رُخ بغضِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ **لعنة الله على اعداء خاتم النبيين.**

ناموس صحابہ واہل بیتؓ کے قانون پر اہل تشیع کو پریشانی کیوں؟

اِسی طرح ناموس صحابہ کے قانون پر اُن لوگوں کو خوش ہونا چاہیے جو حُبِّ اہل بیت کا نعرہ لگاتے ہیں، کیونکہ تمام اہل بیت' صحابہ میں شامل ہیں، بلکہ اُن کی اصل فضیلت اور اہل بیت میں شمولیت کا مدار ہی صحابیت ہے۔ چنانچہ خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے جو رشتہ دار ایمان لا کر صحابی بنے، وہی آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں۔ اور جو رشتے دار ایمان نہیں لائے، وہ رشتے دار ہونے کے باوجود اہل بیت میں شامل نہیں، کیونکہ ایمان لا کر صحابی نہیں بنے۔

نیز ناموس صحابہ کے بل میں ''امہات المؤمنین'' اور ''اہل بیت'' کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ لہٰذا اہل بیت کے نام لیواؤں کو اِس بل کی منظوری پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے تھا کہ ناموس اہل بیت کا قانون مزید مضبوط ہو گیا ہے، لیکن بدقسمتی سے یہود ونصاریٰ کی طرح اِن بدباطنوں کو بھی حب اہل بیت اور ناموس اہل بیتِ اطہار سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ اِن کی تمام تر خواہشات کا مرکز بغضِ صحابہ کرام ہے۔ **لعنة الله علی اعداء اصحاب خاتم النبیین.**

اصلی کلمہ اسلام اور موجودہ قرآن کے منکرین:

جیسے یہود ونصاریٰ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے منکر ومخالف ہیں، ایسے ہی یہ بدبخت بھی اصلی کلمہ اسلام کے منکر ومخالف ہیں، اور اِسے مکمل کلمہ نہیں سمجھتے۔ جیسے یہود ونصاریٰ قرآن پاک کے منکر ومخالف ہیں، ایسے ہی یہ سیاہ باطن بھی موجودہ قرآن کے منکر ومخالف ہیں، اِسے اصلی اور مکمل قرآن پاک تسلیم نہیں کرتے۔ لہٰذا اِن سیاہ بختوں کو پاکستان میں بطورِ مسلمان رہنے کا کیا حق ہے؟ پاکستان کی بنیاد ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ہے، اور یہ اِس کلمہ کو مکمل نہیں سمجھتے۔ پاکستان کی بنیاد حضرت صدیق اکبر اور صحابہ کے جمع کردہ قرآن پاک پر ہے، اور یہ کالے دِلوں والے موجودہ قرآن کو اصلی قرآن نہیں سمجھتے۔ پاکستان کی بنیاد صحابہ کرام کے لائے ہوئے دین پر ہے اور یہ تاریک باطن صحابہ کو مومن ہی نہیں سمجھتے۔

قومی اسمبلی سے قانون منظور ہونے پر اہل تشیع کا واویلا:

یہی وجہ ہے کہ قومی اسمبلی پاکستان سے حالیہ قانون کے منظور ہوتے ہی شیعہ تنظیموں اور اداروں کے سربراہان کی طرف سے واویلا شروع کر دیا گیا، اور طرفہ تماشہ یہ کہ فرقہ واریت کے خاتمے اور سدباب کے لیے منظور کیے گئے قانون کو ''فرقہ واریت کا سبب'' قرار دے کر اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کا منظر پیش کیا جا رہا ہے، چند شیعہ راہ نماؤں کے جاری کردہ بیانات واعلانات ملاحظہ ہوں!

جناب ساجد علی نقوی لکھتے ہیں:

''ملتِ جعفریہ پاکستان فوجداری قانونی ترمیمی ایکٹ 2021ء مسترد کرتی ہے۔ جب تک توہین اور دیگر عناوین کی تعریف، حدود و قیود کو مشخص اور واضح نہیں کیا جاتا، کسی قسم کی قانون سازی مزید نفرت کو فروغ دے گی۔''

جناب جواد نقوی کے خطبہ جمعہ کا اقتباس:

''توہین صحابہؓ، امہات المؤمنینؓ و اہل بیتؑ کا بل بدنیتی پر مبنی ہے۔ متنازع بل کے ذریعہ فرقہ واریت کی تیلی جلادی گئی ہے۔ یہ قانون صحابیتؓ، امہاتؓ اور اہل بیتؑ کے دفاع کے لیے نہیں بنوایا گیا بلکہ اِس بل کا اصل مقصد بنی اُمیہ کی متنازع شخصیات کو صحابیت کا لباس پہنا کر انہیں تقدس واحترام دلوانا ہے۔''

جناب شہنشاہ حسین نقوی کہتے ہیں:

''ملتِ اسلامیہ فوجداری قانون ترمیمی بل 2021ء ایکٹ کو یکسر مسترد کرتی ہے۔ توہین رسالتؐ، اہل بیتؑ، صحابہؓ اور اولیائے الٰہیؒ ایک مذہبی مسئلہ ہے، جس پر رائے دینے کا حق اسلامی تعلیمات کے حامل علمائے کرام، مذہبی جماعتوں اور دینی اداروں کو حاصل ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل، ملی یکجہتی کونسل اور (غیر فعال) متحدہ مجلس عمل میں شامل شخصیات کی رائے حاصل کیے بغیر اِس طرح کے بل کی منظوری ملک میں فرقہ واریت کو فروغ دینے کے مترادف ہے۔ بل پر دستخط کرنے والے افراد اسلامی تعلیمات کے ماہرین نہیں اور بل پیش کرنے والے فرد پر فرقہ واریت کا الزام بھی عائد ہے۔ ایسے بل کو ہم نہیں مانتے اور اداروں سے ملک میں فرقہ واریت پھیلانے والے افراد پر، جو ایوانوں میں بیٹھے نظر آتے ہیں، نظر رکھنے کا مطالبہ ہے۔ والسلام: سید شہنشاہ حسین نقوی۔ (حوالہ نمبر: DT/3088-23) (تاریخ: ۱۹؍جنوری ۲۰۲۳ء)''

اہل تشیع کا واویلا سراسر بے بنیاد ہے

جناب ساجد علی نقوی نے توہین وغیرہ کی تعریف اور حدود و قیود کو رونا رویا ہے، اگر واقعی اُن کو توہین کی حدود و قیود کا اضافہ مطلوب ہوتا اور اِس پہلو سے بل میں خلا ہوتا تو وہ برملا کہہ دیتے کہ: صحابہ و اہل بیت میں سے کسی کی بھی توہین، بے ادبی و گستاخی کرنے والے کو سخت سے سخت سزا ہونی چاہیے، ہم اِس بل کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن توہین و گستاخی کی حدود و قیود متعین ہوجائیں تو ابہام ختم ہوجائے گا۔ لیکن اُن کی طرف سے اِس بل کو بالکلیہ مسترد کردینے کا رویہ بتلاتا ہے کہ اُنھیں توہین کے حدود و قیود کی آڑ میں تبرے اور گستاخی کا اجازت نامہ درکار ہے، جو ظاہر ہے کہ اُن کی بدباطنی کے سوا کچھ نہیں۔

جناب جواد نقوی نے 'صحابیت کی وجہ سے بنواُمیہ کی چند شخصیات کو تقدس واحترام دیئے جانے پر

خفگی کا اظہار کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے صحابیت کا شرف بخشنے کے لیے جواد نقوی صاحب جیسے لوگوں کی ''خواہش'' کے بجائے اُن مقدس ہستیوں کی باطنی استعداد، اخلاص اور قابلیت کو ملحوظ رکھا ہے، اِس لیے بنوامیہ کی جن شخصیات کو اُن کے اخلاص اور قابلیت و قبولیت کی وجہ سے مرتبہ صحابیت مل چکا ہے، اُنھیں جواد نقوی جیسوں کا واویلا صحابہ کی فہرست سے نہیں نکال سکتا البتہ اُنھیں متنازع کہنے کی وجہ سے خود جواد نقوی کی اَصلیت کی ایک جھلک اُن لوگوں کا منہ چڑانے کے لیے کافی ہے جو جناب جواد نقوی کو ''وحدت اُمت'' کا علمبردار سمجھتے ہیں۔

رہے شہنشاہ حسین نقوی! اُن کے مطالبے اور شکوے کا حاصل یہ ہے کہ چوری کی سزا سے متعلق قانون سازی کے لیے چوروں، ڈاکے کی سزا سے متعلق قانون سازی کے لیے ڈاکوؤں اور شراب سے متعلق قانون سازی کے لیے شرابیوں کی رائے کو اہمیت دینی چاہیے، کیونکہ وہ اِس ''فن'' کے لوگ ہیں۔ شہنشاہ حسین نقوی صاحب کی اِس ''شہنشاہانہ'' خواہش پر عمل درآمد کے لیے ضروری ہے کہ عدل و انصاف اور دیانت و امانت اور خوفِ خدا جیسی صفات کی اَضداد کو گلے لگا کر عملاً شیعیت کو اَپنا لیا جائے، جیسے شیعیت نے اسلام کے عقیدہ توحید کے مقابلے میں ''عدل''، عقیدۂ رسالت کے مقابل ''امامت'' اور عقیدہ آخرت کے رد کے لیے ''رَجعت'' کا نظریہ اپنا کر اِسلام کے مخالف و مقابل ایک راستہ اپنا رکھا ہے، ایسے ہی وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانانِ پاکستان بھی عدل و دیانت کی صفات کو چھوڑ کے اِن کے مخالف خالص شیعہ صفات اپنا لیں! اِس کے جواب میں ہم شہنشاہ حسین نقوی صاحب سے صرف اتنا ہی کہیں گے کہ: یہ شیعیت آپ کو مبارک ہو! اللہ کرے!

ملک عزیز پاکستان کا ایک المیہ یہ ہے کہ سیاستدان وغیرہ اپنے سیاسی اور بعض اوقات ناجائز و حرام مقاصد کے لیے بھی مذہب اور دین کا نام استعمال کر کے اسے بدنام کرتے ہیں۔ اِس لیے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اللہ کرے یہ بل کسی نے اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر نہ منظور کرایا ہو، بلکہ خالص اللہ کی رضا، اسلام سے وفاداری اور صحابہ کا عشق و محبت اِس کا سبب ہو۔ اور اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے قومی اسمبلی کے بعد سینیٹ سے اِس کی منظوری کی راہ بھی ہموار فرما دیں۔ نیز متعلقہ محکموں، اداروں اور افراد کو اِس پر پوری طرح عمل در آمد کی توفیق بھی رفیق فرمائیں۔ آمین۔ سابقہ حکومت کے دور میں پنجاب اسمبلی سے منظور ہونے والے ''تحفظ بنیاد اسلام بل'' پر بھی تا حال گورنر پنجاب کے دستخط نہیں ہو سکے۔ اللہ پاک اُس کے لیے بھی کوئی غیبی سبیل پیدا فرما دیں۔ آمین ثم آمین

خادم اہل سنت حمزہ احسانی غفرلہ...... (۲/رجب المرجب ۱۴۴۴ھ، ۲۵/جنوری ۲۰۲۳ء، بدھ)

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (نجاری، خزرجی، انصاری) کی والدہ کا نام نوار بنت مالک تھا، ابھی ان کی عمر ۶/برس تھی کہ ان کے والد "ثابت" جنگ بعاث میں قتل ہو گئے، جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر گیارہ برس تھی، غزوہ بدر میں کم سنی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، بعد کے تمام معرکوں میں انہیں آنحضرت ﷺ کے شانہ بشانہ شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔[اسد الغابہ: ۸۲۴/۱] غزوہ خندق میں حضرت زید رضی اللہ عنہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مٹی اُٹھا رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: اما انہ نعم الغلام یہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ [الاستیعاب: ۲۸۳] اسی موقع کی بات ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ مٹی اُٹھاتے اُٹھاتے تھک کر سو گئے۔ تو حضرت عمارہ بن حزمؓ نے مذاق میں ان کا اسلحہ اٹھا لیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو پتہ نہ چلا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور حضرت زیدؓ سے فرمایا: یا ابا رقاد (اے سونے والے)، اس وقت آنحضرت ﷺ نے کسی مومن کو ڈرانے، پریشان کرنے اور مذاق و کھیل میں کسی کا سامان اٹھا لینے سے منع فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: افرضکم زید تم میں علم فرائض کے سب سے بڑے عالم زید ہیں۔ مدینہ منورہ میں فتویٰ دینے والے اور فیصلہ کرنے والوں میں ایک نمایاں نام حضرت زید کا ہے، غزوہ تبوک میں بنو نجار کا جھنڈا شروع میں حضرت عمارہؓ کے پاس تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے لے کر حضرت زید کو دے دیا، حضرت عمارہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ بلغك عنی شئ ؟ آپ کے پاس میری کوئی شکایت آئی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لا ولکن القرآن مقدم آپ سے ہمیں کوئی شکایت نہیں، لیکن حضرت زیدؓ قرآن مجید کا علم زیادہ رکھنے کی وجہ سے آپ سے زیادہ اس اعزاز کے مستحق ہیں۔[الاصابہ: ۶۴۲/۱]

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ذکاوت اور حافظہ کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو کتب حدیث و تفسیر میں مذکور ہے۔

حضرت زید فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انی اکتب الی قوم فاخاف ان یزیدوا علی او ینقصوا فتعلم السریانیہ " میں (مختلف) قوموں کی طرف خط لکھتا ہوں (زبان نہ جاننے کی وجہ سے) خطوط میں کمی بیشی کا اندیشہ ہے، لہٰذا آپ سریانی زبان سیکھ لیں"۔ حضرت زید فرماتے ہیں: فتعلمتها فی

سبعة عشر یوما ''میں نے سترہ دن میں سریانی زبان پر عبور حاصل کرلیا۔'' (حوالہ بالا) ایک مرتبہ حضرت زیدؓ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے احتراماً سواری کی لگام تھام لی، حضرت زیدؓ نے فرمایا اے رسول اللہ کے چچازاد بھائی! آپ ایسا نہ کیجئے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: لا هکذا نفعل بالعلماء والکبراء، ہرگز نہیں! ہم علماء اور اکابر کے ساتھ ایسا ہی حسن برتاؤ کرتے ہیں۔ (ایضاً)

جنگ یمامہ میں جب بہت سے قراء شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ہی قرآن جمع کرنے کا حکم فرمایا، اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کو کاتبِ وحی ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن جمع کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا، دو مرتبہ حج کے موقع پر اور ایک مرتبہ اس وقت جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے سفر پر تشریف لے گئے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی جب حج کرنے مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرما کر جاتے۔ [الاستیعاب: ۲۸۴]

حضرت ثابتؒ بن عبید فرماتے ہیں: مارئیت رجلا افکه فی بیته ولا اوقرفی مجلسه من زید، اپنے گھر میں ہنس مکھ اور مجلس میں باوقار میں نے حضرت زیدؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت زیدؓ نے ۴۵ھ میں رحلت فرمائی، جب آپ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: الیوم مات حبر هذه الامة آج اس امت کے یگانۂ روزگار عالم وفات پا گئے۔ [الاصابہ: ۱/۶۴۳، اسد الغابہ: ۱/۸۲۵] ☆☆

انجم نیازی

سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خادمِ بے لوث بھی تھا اور پہریدار بھی
اُس کی اِس خوبی سے خوش تھا صاحبِ دربار بھی

اُس کے ہونٹوں پر بھی رہتی تھی عقیدت کی خوشی
مسکرا پڑتے تھے اُس کو دیکھ کر سرکار بھی

اُس نے پھیلایا تھا پیغامِ رسالتؐ ہر طرف
باعمل عالم بھی تھا اور صاحبِ تلوار بھی

زیدؓ بن ثابت کا ہم رتبہ کوئی قاری کہاں
جس کی لے سے جُھوم جاتی محفلِ انوار بھی

وہ کیا کرتا تلاوت مِل کے جبرائیل سے
اُس کا جبرائیل سا بے داغ تھا کردار بھی☆

☆صحابہ کرام معصوم تو نہ تھے، مگر محفوظ ضرور تھے۔

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد مجلس: ۱۲

المجالس الحسنه

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

19/دسمبر 2013ء......۱۶/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

تصویر فتنہ عالمگیر

بعد از فجر سات بجے کے قریب مجلس میں حاضری اور زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ''کتاب الجنائز'' میں یہود ونصاریٰ کے انبیاء علیہم السلام کی تصویریں بنانے کا ذکر آیا اس پر فرمایا:

یہ تصویر کا فتنہ بھی عام ہو گیا ہے، تصویر صورت سے ہے۔ صورت رہ جاتی ہے روح نکل جاتی ہے۔ ہم حج پر تھے وہاں جمرات سے فراغت کے بعد دیکھا کچھ لوگ اچھل اچھل کر کیمروں کے سامنے آرہے تھے کہ ہم نے شیطان کو آگے پہنچا دیا، لیکن یہ معلوم نہیں کہ شیطان خود ان پر سوار ہو گیا ہے! اللہ معاف فرمائے۔ ہم مسجد نبوی شریف میں تھے مدینہ منورہ کے طلبہ بھی تھے، وہاں دیکھا ایک صاحب نے نماز کی نیت باندھی اور تصویر کھنچوانے کے بعد ہاتھ چھوڑ دیے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

فرمایا: چلو کچھ اختلاف رائے اگر ہے بھی تو مجبوری کے حالات میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، یہ تو نہیں کہ ہر جگہ جہاں ضرورت ہو یا نہ ہو۔ حضرت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جامعہ قاسمیہ گوجرانوالہ تشریف لائے تو ویڈیو بنانے سے سختی سے منع فرمایا۔ ان حضرات کا عمل بھی تو دیکھیں کیا ہے!

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ ایک دفعہ نجی مجلس میں تھے کسی مولوی صاحب نے تصویر بنائی تو اسے سختی سے ڈانٹا کہ تم لوگ تو ایسی حرکتیں نہ کیا کرو، وہ صحافی وغیرہ تو ناواقف ہوتے ہیں یا کسی درجے میں مجبوری ہوتی ہے۔

یہاں رمضان میں ایک صاحب کہنے لگے کہ گھر والے شادی کی ویڈیو بنوانا چاہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ علماء کے جلسوں کی بھی تو ویڈیو بنتی ہیں۔

فرمایا: میں نے جب مدرسے میں تصویر کے بارے میں پڑھا تو گھر جا کر بکس کھولا اور تمام تصویروں کو ایک ایک کر کے پھاڑ دیا۔ تصویر کو دیکھ کر کیا کرنا ہے! اگر بڑھاپے میں جوانی کی تصویر دیکھ بھی لی تو جوان تھوڑی ہو جائیں گے، رہیں گے تو بابا غلام رسول ہی، تو کیا فائدہ پھر تصویر کا؟

ٹی وی پر آنے کا شوق کیسے پورا ہو

بعضوں کو ٹیلی ویژن پر آنے کا شوق ہوتا ہے، میرے حضرت فرماتے ہیں: اگر ٹیلی ویژن پر آنے کا شوق ہوتو آئینہ دیکھ لیا کرو، اس کے سامنے کھڑے ہوکر حرکتیں کرلیا کرو۔

فرمایا: میرے حضرت نے مجھے جاندار کی تصویر دیکھنے سے بھی منع کر رکھا ہے، بڑی آسانی رہتی ہے۔ میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے نکلا سامنے ہوٹل پر ایک ڈبہ رکھا تھا جس میں قاری عبدالباسط صاحب رحمہ اللہ کی تلاوت لگی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کھڑا ہوکر سنتا رہا، تلاوت کا تو اپنا نور ہوتا ہے، چاہتا تھا کہ ایک نظر دیکھ لوں، لیکن حضرت کا فرمان سامنے آگیا، کشمکش جاری رہی، پھر یہی سوچا کہ قیامت والے دن دیکھ لیں گے۔

ویسے میں نے قاری عبدالباسط صاحب کی تلاوت یہاں لاہور میں سن ۸۲، ۸۳ء میں براہِ راست بھی سنی ہوئی ہے۔ کوئی بھی ادا رحمت کا بہانہ بن سکتی ہے۔ قاری عبدالباسط صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی تلاوت میں کیا خاص بات ہے؟ کہنے لگے میں کثرت سے درود پاک پڑھتا ہوں۔

فرمایا: تصویر فتنہ ہے، فتنہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو آپ کے دین کو نقصان پہنچاتی ہو، آخرت کا نقصان کرتی ہو، اس لیے ہر گناہ فتنہ ہے۔

تصویر سے تکلیف

حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ و شیخ مکرم حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے کسی عزیز یا جاننے والے کا قصہ ہے کہ موت کے وقت روح نہیں نکل رہی تھی، جب حضرت آئے تو دیکھا سامنے تصویر ہے، فرمایا اسے باہر نکالو، باہر نکالا تو فوراً روح پرواز کرگئی۔

تربیت خلاف طبیعت

بزرگ فرماتے ہیں: تربیت ہمیشہ خلافِ طبیعت ہوتی ہے، اس کے لیے ان ہستیوں کے پاس جانا پڑتا ہے جن کی اپنی تربیت ہوئی ہو، جن کے اپنے من مٹے ہوئے ہوں۔

خاموش اور چھوٹی نیکیاں

کوئی بھی ادا رحمت کا بہانہ بن سکتی ہے، ہمارے ایک بزرگ ہیں مسکین پور شریف کے، فرمانے لگے: نیکی کو ہلکا نہ سمجھیں، ایک نمبر سے آدمی پاس بھی ہوجاتا ہے اور ایک نمبر سے فیل بھی ہوجاتا ہے۔ ہر نیکی کو یوں سمجھیں شاید یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بخشش کا ذریعہ بن جائے۔ اور ہر گناہ کو یوں سمجھیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

کل عصر کی نماز کے وقت راستے میں جاتے ہوئے ایک پرانی مسجد میں نے جھاڑو دیا، کیا پتہ اللہ کو یہی

عمل پسند آ جائے، یہ اس لیے نہیں بتا رہا کہ ریا مقصود ہے، ویسے تو یہ بھی کہتے ہیں: شیخ کا ریا مرید کے اخلاص سے بہتر ہوتا ہے، لیکن مقصد یہ ہے کہ آپ حضرات کی بھی اس طرف توجہ ہو جائے۔ اللہ کی رحمت صرف بخاری شریف پڑھنے پڑھانے پر متوجہ نہیں ہوتی بلکہ ہوسکتا ہے مسجد سے ایک تنکا باہر نکالنے پر کام بن جائے۔

کام وہ بڑا نہیں جسے ہم بڑا سمجھیں، کام وہ بڑا ہے جسے اللہ بڑا سمجھیں۔

زیادہ نمبروں سے خوشی نہیں ہوتی

فرمایا: مجھے طلبہ کے زیادہ نمبروں کی خوشی نہیں ہوتی، کیونکہ اصل چیز عرش کے نمبر ہیں، یہاں ممتاز آ بھی گئے تو کیا ہوا؟

صحابہ رضی اللہ عنہم کا دورہ صرف ایک نظر میں

استفسار فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورہ کی مدت کیا تھی؟ پھر خود ہی فرمایا: وہ ایک گھڑی کہ جس میں ایمان کی حالت میں حضور نبی ﷺ کے چہرہ انور پر نظر پڑی۔ بس پھر کیا تھا وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے آگے، امام شافعی رحمہ اللہ سے آگے، جنید بغدادی رحمہ اللہ سے آگے، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے آگے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس ایک گھڑی میں اخلاص کے سمندر پی لیا کرتے تھے اور ایمان کے اس (اعلیٰ) درجے تک پہنچ جایا کرتے تھے کہ ہم لاکھوں سال عبادت کر کے اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔

ہمیشہ زبانی تلاوت

فرمایا: میں نے اپنے والد صاحب کو سوائے ایک مرتبہ کے کبھی قرآن پاک کھول کر تلاوت کرتے نہیں دیکھا، ہمیشہ زبانی تلاوت کیا کرتے تھے، اسی طرح میری دوسری اہلیہ کا بھی یہی معمول ہے کہ ہمیشہ زبانی تلاوت کرتی ہیں۔

محنت ضائع نہیں جاتی

کمزور طلبہ سے کہتا ہوں پریشانی کی بات نہیں، محنت کرتے رہیں، اللہ کا وعدہ ہے ”ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین“ اللہ اچھی طرح کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے۔ بعض دفعہ ہوشیار (پیچھے) رہ جاتے ہیں اور اللہ درویشوں سے کام لے لیتے ہیں۔ میں زمانہ طالب علمی میں ہر نماز کے بعد دعا کرتا تھا یا اللہ! اپنے دین کا کام لے لے، اب بھی دعا کرتا ہوں۔ سب کے لیے کرتا ہوں میرے لیے سب طلبہ برابر ہیں، چاہے جہاں کے بھی ہوں۔ ہماری دعا سے کسی کا بھلا ہو جائے تو اس میں ہمارا کیا نقصان ہے؟

شریعت پر عمل تو جنت کی ہوا ہے

فرمایا: میری [دوسری] شادی ہوئی، اس سے معمولات میں ذرا فرق نہیں پڑا وہاں جانا ہوا، فجر کی نماز

جماعت کے ساتھ ادا کی اور اس کے بعد ایک جماعت آئی تھی ان کا بیان بھی سنا۔ دین کی بڑی برکت دیکھی، اگر انسان شریعت پر عمل کرے تو اللہ دنیا میں ہی جنت کی ٹھنڈی ہواؤں کا جھونکا دکھلا دیتے ہیں، دائیں بائیں ہوں تو پریشانی ہی پریشانی ہے، ہمارے ایک ساتھی کہنے لگے آج کل تو شادی تجارت بن گئی ہے۔

بدعت کی مثال

فرمایا: ملتان میں حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ (رحمہ اللہ [متوفی: ۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء] ادارہ صفدر) کے ساتھ تھے، حضرت فرمانے لگے نماز کے دوران مجھے ہاتھ میں ایک تنکا چبھا تو اس سے مجھے ایک مسئلہ سمجھ آیا کہ بدعت اگرچہ چھوٹی سی ہو اس سے سارے دین کا نظام کیونکر بگڑتا ہے، کانٹا اگرچہ چھوٹا تھا لیکن اس نے پورے جسم کو بے چین کر دیا۔

غسل میت کا عملی طریقہ

آج حضرت والا نے ''کتاب الجنائز'' سے جنازہ کے احکام پڑھنے کے ساتھ ساتھ عملاً اجمالی طور سے غسل میت کا طریقہ بھی بتایا۔ کفن کو لوبان کی دھونی دی، اسی طرح تختے کو بھی لوبان کی دھونی دیکر دکھلائی۔ اسی دوران جنازے کے مسائل میں ولی کے لیے دوسرا جنازہ کرنے کی بات آئی ایک دو صورتوں کے بارے میں راقم سے بھی حضرت نے استفسار فرمایا، جن میں سے ایک کا جواب عرض کیا جبکہ دوسرے کا علم نہ ہونے کا عرض کیا، حضرت نے تحقیق ذمے لگائی کہ کر کے بتا دیجیے گا۔

☆......☆......☆......☆

محکم و متشابہ (صفحہ 46 کا **بقیہ**)

اور سنی اس بارے میں اس کے برعکس کہتا ہے [یعنی سورہ کہف کی آیت کو متشابہ اور سورہ تکویر کی آیت کو محکم کہتا ہے۔۔ راقم] لہٰذا کوئی ایسا قانون ہونا ضروری ہے کہ جس کی طرف محکم و متشابہ کی تعیین کے باب میں رجوع کیا جا سکے۔ تو ہم کہتے ہیں: لفظ اگر دو معنی کا احتمال رکھتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کی طرف نسبت کرتے ہوئے راجح ہو اور دوسرے معنی کی طرف نسبت کرتے ہوئے مرجوح ہو تو اگر ہم اس لفظ کو راجح معنی پر حمل کریں اور اسے مرجوح معنی پر حمل نہ کریں تو یہ محکم ہیں۔ اور رہا یہ کہ اگر ہم لفظ کو مرجوح معنی پر حمل کریں اور راجح معنی پر حمل نہ کریں تو یہ متشابہ ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں: لفظ کو راجح معنی سے مرجوح معنی کی طرف پھیرنے کے لیے کسی دلیل منفصل کا ہونا لازم ہے، اور وہ دلیل منفصل یا تو لفظی ہو گی یا عقلی ہو گی۔ ☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن [مجاز بیعت: حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ]

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے محبوب و معتمد

ہم سب کے مخدوم ومحترم، یادگارِ اسلاف ، پیکر تواضع ، فقیہ وقت ، پاسبان مسلک حق حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علم وعمل سے بھرپور ایک نہایت عالی شان محتاط، متبع سنت اور لائق اتباع زندگی گزار کر خالق حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات کی وجہ سے بندہ ناچیز کو اُن سے بے حد عقیدت ومحبت تھی۔ اور اس مودت کی وجہ مسلک کے لحاظ سے اُن کی بے مثال پختگی، تصلب اور اکابر اہل سنت دیوبند پر مضبوط اعتماد تھا۔ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہونے کے باوجود بھی مسلک میں ایسی پختگی یقیناً اُن کے لیے من جانب اللہ توفیق خاص تھی۔ اور صرف ڈاکٹر نہیں، مفتی وفقیہ بلکہ اپنے زمانہ کے فقہاء کی صفِ اول میں شمار ہونے کے باوجود مسلک کی اشاعت وحفاظت کے میدان میں بھی گہری تحقیق وانتہائی اخلاص سے مسلسل مصروفِ عمل رہے۔ ورنہ عام طور پر فقہ کے ماہرین اپنے فقہی میدان کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں، دوسرے پہلوؤں کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے اِس میدان میں بھی ماشاء اللہ خوب اور نمایاں کام لیا۔

بندہ ناچیز کو دو مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کا موقع ملا۔ ایک مرتبہ ہم ہسپتال میں اُن سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، اپنے کمرے میں تشریف فرما تھے، میز پر کتب تھیں، جن میں ''بہشتی زیور'' بھی شامل تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بیٹے بھی وہیں تھے، اُن کے سامنے ''شامی'' رکھی تھی، شاید اپنے بیٹے کو کچھ پڑھا رہے تھے، گویا ہسپتال میں بھی علمی ماحول تھا۔ اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا، غالباً ظہر کی نماز تھی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ہی ہم مسجد گئے، سنتیں پڑھ کر حضرت رحمہ اللہ اگلی صف میں تشریف فرما ہوئے۔ میں تو ٹکٹکی باندھ کر اُن کو دیکھتا ہی رہا۔ اُن کی ہر ادا سے تواضع جھلک رہی تھی، ہم سے ملاقات کے وقت بھی انتہائی تواضع سے پیش آئے، مسجد میں آنا جانا، بیٹھنا، نماز پڑھنا سب کچھ دیکھا، سراپا تواضع تھے، گویا ہمیں اُن سے عملی تواضع کا ایک سبق ملا۔

اسی ملاقات میں بندہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ رحمہ اللہ نے حضرت قائد اہل سنت کی زیارت کی

ہے؟ کبھی آپ کا چکوال آنا ہوا؟ فرمانے لگے کہ نہیں! چکوال تو نہیں آنا ہوا، کیونکہ سفر کرنے میں مجھے بہت زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اَب یہ یاد نہیں کہ حضرت قائد اہل سنتؒ سے ملاقات کا ذکر کیا یا نہیں کیا۔

دوسری مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں حاضری ہوئی، مغرب کی نماز وہیں مسجد میں باجماعت پڑھی، بعدازاں حضرت رحمہ اللہ ہمیں اپنے ساتھ لے گئے جہاں وہ تشریف فرما ہوتے تھے، دائیں بائیں کتب کو دیکھ کر لگتا تھا کہ شاید یہ کتب خانہ ہے۔

اس موقع پر حضرتؒ نے جاوید غامدی اور عمار خان ناصر کے خلاف اپنی تحریرات خود اپنے ہاتھوں سے ہمیں عنایت فرمائیں۔ اس وقت ان کے ہاتھوں میں رعشہ بھی تھا۔ ہمارے حضرت، قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے بہت محبت تھی۔ بارہا میرے سامنے حضرت رحمہ اللہ نے اُن کا تذکر کیا، فرمایا کہ: بہت اچھا لکھتے ہیں۔ حضرت (قائد اہل سنت) رحمہ اللہ جس طرح حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے تھے اُس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ البتہ حضرت رحمہ اللہ جب بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے تھے تو لہجے اور انداز سے بے حد محبت جھلکتی تھی، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ حضرت قائد اہل سنتؒ کے ''محبوب'' ہیں۔

اور یقیناً حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے محبت کی وجہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بے مثال مسلکی خدمات ہی تھیں۔ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی یہ خدمات اِس قدر محتاط اور معتدل تھیں کہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ جیسے باریک بین محقق، پھونک پھونک کر قدم رکھنے والے اہل سنت کے قائد، کسی کی تعریف وتنقید میں احتیاط کے دامن کو نہ چھوڑنے والے مصنف، مومنانہ بصیرت اور عالمانہ فراست کے حامل مدبر بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی مسلکی تحقیقات پر اعتماد کا برملا اظہار کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بہت سی تحریرات من وعن ماہنامہ ''حق چاریار'' کا حصہ بنیں۔ بعض تحریرات الگ کتابچہ کی صورت میں بھی شائع کی گئیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ خود لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا) رحمہ اللہ کے دفاع میں اُن کے چار خلفاء کی ''داستان عبرت'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا اور شائع کیا جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے کہنے پر ماہنامہ ''حق چاریار'' میں من وعن شائع ہوا۔ اس کی اشاعت کے فوراً بعد مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کا رجوع نامہ شائع ہوا جو محض دفع الوقتی تھا۔ لہٰذا اس رجوع نامہ کی حقیقت ''داستان عبرت نمبر۲'' کے نام سے لکھ

کر شائع کی۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے وہ بھی ''حق چار یار'' میں من وعن شائع ہوا۔''

[ماہنامہ حق چار یار، قائد اہل سنت نمبر: ۵۱۵]

دارالعلوم دیوبند کے سابق مدرس حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی مدظلہ لکھتے ہیں:

''تقویٰ سے علم میں ترقی اور انسان کے اندر حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی قوت اور ایک ایسی روشنی پیدا ہوجاتی ہے جس سے انسان کو راہ نمائی ملتی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ رمیں اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان: ''**وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ**'' (اور اللہ سے ڈرو! اور اللہ تمہیں سکھلاتا ہے۔) اور سورۂ انفال کی آیت نمبر ۲۹ رمیں اللہ کے اِس ارشاد: ''**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا**'' (اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو وہ تمہیں امتیاز کرنے والی قوت عطا کردے گا۔) اور اِسی طرح سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۸ رمیں اللہ کے اِس فرمان: ''**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ**'' (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوگنا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں ایک ایسا نور عطا فرمائے گا جسے تم لیے ہوئے چلو گے۔) مذکورہ تینوں آیتوں سے مفسرین نے یہ اخذ کیا ہے کہ: تقویٰ سے انسان کے علم میں ترقی اور بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴۱۵/۱، آیت نمبر ۲۸۲ ر سورۂ بقرہ)۔'' [تفسیر ہدایت القرآن، حرف آغاز: ہ]

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بھی تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ مرتبہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حق وباطل کے درمیان امتیاز کردینے والی قوت اور حق کی طرف راہ نمائی کرنے والی روشنی عطا فرمائی تھی، جس کی بنا پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ زندگی بھر مختلف فرق ضالہ باطلہ کا تعاقب اور ہر پہلو سے مسلک حق کی اشاعت وحفاظت کا فریضہ پوری بصیرت اور شرح صدر کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تمام خدمات کو قبول فرمائیں، ان کے فیوضات کو تا قیام قیامت جاری وساری رکھیں اور ہمیں اور آنے والی نسلوں کو اُن کی تحقیقات وتحریرات سے راہ نمائی حاصل کرنے اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ **آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم**

(بشکریہ ماہنامہ دارالتقویٰ اشاعتِ خاص)

............☆☆☆............

حمزہ احسانی

انبیاء کی عصمت و پاک دامنی......(آسان فہم انداز میں)

''الاحسان آن لائن اکیڈمی'' کے زیرِ اہتمام ''اسلامی عقائد کورس (حصہ دوم)'' کے آٹھویں سبق میں پیش کی گئی گزارشات ضروری اضافہ وترمیم کے بعد پیش خدمت ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک تمام انبیاء کرام علیہم السلام پیدائش سے لے کر وفات تک معصوم ہوتے ہیں۔ اُنھیں پوری زندگی عصمت اور پاک دامنی کی صفت حاصل ہوتی ہے۔ سوال: انبیاء کو جو ''عصمت'' اور ''پاک دامنی'' کی صفت حاصل ہوتی ہے، وہ کس چیز سے ہوتی ہے؟ یعنی وہ کس چیز سے معصوم ہیں؟ کس چیز سے پاک ہیں؟ جواب: گناہ سے معصوم ہیں۔ معصیت سے معصوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پاک ہیں۔ شریعت کی خلاف ورزی سے پاک ہیں۔

گناہ، معصیت اور نافرمانی کسے کہتے ہیں؟

سوال: گناہ کسے کہتے ہیں؟ جواب: گناہ کہتے ہیں: اِنسان کسی بھول چوک کے بغیر اپنے اِرادے سے کوئی کام کرے اور وہ کام واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والا ہو، یعنی اُس کے بارے میں شریعت کا واضح حکم موجود ہو۔ اور اِس انسان کے عمل میں شریعت کے اُس حکم کی خلاف وَرزی پائی جائے۔

معلوم ہوا کہ کسی کام کے گناہ ہونے کے لیے پانچ شرائط کا ہونا ضروری ہے:

[۱]- اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا، رسول کا، شریعت کا کوئی حکم موجود ہو۔

[۲]- وہ حکم بھی بالکل واضح اور دوٹوک ہو۔ اس میں کوئی ابہام نہ ہو۔

[۳]- تیسری بات یہ کہ اُس کام میں شریعت کے حکم کی خلاف وَرزی پائی جائے۔

[۴]- اور چوتھی بات یہ کہ انسان نے وہ کام اپنے اِدارے سے کیا ہو۔

[۵]- اور پانچویں شرط یہ کہ اُس کام میں انسان سے بھول نہ ہوئی ہو۔

یہ پانچ شرائط ہوں تو تب وہ کام گناہ ہوتا ہے، وہ معصیت ہوتی ہے، نافرمانی ہوتی ہے۔

ملاحظہ: کسی شخص کو کسی عمل کے گناہ ہونے کا علم نہ ہو، یعنی اُسے یہ پتہ نہ ہو کہ یہ کام ''گناہ'' ہے۔ اور وہ شخص اپنے اِرادے سے وہ کام کر بیٹھے، تب بھی وہ گناہ ہی شمار ہوگا۔ انسان کی لاعلمی کی وجہ سے گناہ کا کوئی کام جائز نہیں ہو جاتا۔

اَب یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ جو گناہ ہوتا ہے، وہ کسی نبی سے نہیں ہوسکتا۔

لغزش کا معنی:

گناہ کے علاوہ ایک اور چیز ہے: ''لغزش''۔ سوال: لغزش کسے کہتے ہیں؟ جواب: اِنسان سے کوئی کام ایسا ہوجائے جس میں شریعت کے واضح حکم کی خلاف ورزی پائی جائے۔ لیکن وہ کام اِس انسان نے اپنے ارادے سے نہ کیا ہو، بلکہ بلا اِرادہ ہی ہوگیا ہو۔ یعنی اِس کا اپنا ارادہ وہ کام کرنے کا نہیں تھا، لیکن کسی غلطی یا غلط فہمی کی وجہ سے ہوگیا۔ جیسے روزے کی حالت میں کلی کرتے ہوئے پانی حلق میں اُتر گیا۔ پانی اَندر لے جانے کا ارادہ تو نہیں تھا، لیکن بلا اِرادہ ہی چلا گیا۔ یا اَفطاری کا وقت ہونے سے پہلے یہ سمجھ کر اَفطاری کرلی کہ اَفطاری کا وقت ہوگیا ہے۔ اَب وقت سے پہلے روزہ کھولنے کا اِرادہ تو نہیں تھا، لیکن غلط فہمی کی وجہ سے کھول لیا۔ یہ لغزش ہے۔ اِسے ''لغزش'' کہتے ہیں۔ چونکہ اِس میں انسان کا ''اِرادہ'' نہیں ہوتا، اِس لیے شریعت کی نظر میں یہ ''گناہ'' نہیں ہے۔

نسیان (بھول) کا معنی:

گناہ اور لغزش کے علاوہ ایک چیز اور ہے، جسے ''نسیان'' (بھول چوک) کہتے ہیں۔ سوال: نسیان کسے کہتے ہیں؟ جواب: اِنسان کوئی کام اپنے ارادے سے کرے۔ اور اُس میں شریعت کے واضح حکم کی خلاف وَرزی بھی پائی جائے۔ لیکن اُس میں اِنسان سے کوئی بھول ہوجائے۔ جیسے: روزہ کی حالت میں اپنے اِرادے سے پانی پی لے، لیکن اُسے روزہ یاد نہ ہو۔ اور جیسے: بھول کر نماز قضا ہوجائے۔ یا جیسے: کوئی بات اپنے ارادے سے دوسرے کو بتائے، لیکن اُسے اَصل بات بھول گئی ہو، اور جسے وہ سچ سمجھ کر بتا رہا ہے، حقیقت میں وہ جھوٹ ہو۔

اَب یہاں اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کی خلاف ورزی بھی ہے۔ وہ کام انسان نے کیا بھی اپنے ارادے سے ہے، لیکن اس میں انسان سے بھول ہوگئی ہے۔ نسیان ہوگیا ہے۔ اُسے یاد ہی نہیں رہا۔ اور چونکہ یہ خلاف ورزی ''بھول اور نسیان'' کی وجہ سے ہوئی، اِس لیے شریعت کی نظر میں یہ بھی ''گناہ'' نہیں ہے۔

خطائے اجتہادی کا مفہوم:

گناہ، لغزش اور نسیان کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے، جسے ''خطائے اجتہادی'' کہا جاتا ہے۔
سوال: خطائے اجتہادی کسے کہتے ہیں؟ جواب: خطا کہتے ہیں غلطی کو اور اجتہاد کہتے ہیں کہ: شریعت میں جو معاملہ، جو مسئلہ غیر واضح ہو، اُس میں مجتہدانہ صلاحیت کا حامل شخص قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر اُس مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ یہ تو ہوگیا اجتہاد کا معنی۔

خطائے اجتہادی کیا ہوتی ہے؟ اجتہاد کا اہل شخص جب کسی مسئلے میں شرعی حکم معلوم کرنے کی مخلصانہ

کوشش کرے اور اُسے غلطی لگ جائے تو اِسے ''خطائے اجتہادی'' کہا جاتا ہے۔

یعنی کوئی معاملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے، شریعت کی طرف سے کوئی واضح حکم نہیں ہے، جب ضرورت پیش آتی ہے تو جو مجتہد ہوتا ہے، واقعی اجتہاد کا اہل ہوتا ہے، وہ قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرتا ہے، اَب اُس کا فیصلہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے، (اللہ تعالیٰ نے بتایا تو نہیں ہوا کہ اِس میں میری مرضی کیا ہے۔) لیکن اگر وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہو گیا تو اُس کو دو نیکیاں ملتی ہیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکا تو اِس کو کہتے ہیں: ''اجتہادی خطاء''۔

سوال: اجتہاد میں خطا اور غلطی ہو جائے تو پھر بھی نیکی کیوں ملتی ہے؟ جواب: اس لیے کہ: [۱]- وہ شخص اجتہاد کا اہل ہے، اُسے اجتہاد کی اجازت ہے۔ [۲]- اُس نے شریعت کے ایک مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اپنی دیانت دارنہ محنت کی ہے اور شریعت کے اُصولوں کے سامنے رکھا ہے۔ اِس لیے وہ اَجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ جیسے مستند اور ماہر ترین ڈاکٹر جس نے ڈاکٹری کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی مشق بھی کر رکھی ہو، وہ پوری دیانت داری اور محنت کے ساتھ ڈاکٹری اُصولوں کے عین مطابق کسی مریض کے لیے کوئی دوا تجویز کرے، لیکن اُس دوا سے مریض کو افاقہ نہ ہو یا مرض بڑھ جائے تو ڈاکٹر کو مجرم نہیں ٹھہرایا جاتا۔ کیونکہ اُس نے اپنے علم، اپنی مہارت کے مطابق پورے خلوص اور محنت سے مریض کی تشخیص وتجویز کی ہے۔ اِسی طرح اجتہاد کا اہل شخص پوری دیانت داری سے کسی چیز کا شرعی حکم معلوم کرنے کی کوشش کرے اور اُسے غلطی لگ جائے تو اُسے بھی نیکی ہی ملتی ہے۔ اور وہ اللہ کے ہاں اَجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

اجتہاد چونکہ صرف اُن معاملات میں ہوتا ہے جن میں شریعت کا واضح حکم موجود نہ ہو۔ اِس لیے ''خطائے اجتہادی'' بھی اُنھی چیزوں میں ہوتی ہے جن کے بارے میں شریعت کا واضح حکم نہ ہو۔ اور جس چیز کے بارے میں شریعت کا واضح حکم موجود نہ ہو، اس میں اجتہاد کر کے کسی پہلو کو اختیار کرنا ''گناہ'' نہیں ہوتا۔ لہٰذا ''خطائے اجتہادی'' بھی شریعت کی نظر میں ''گناہ'' نہیں ہے۔

خلافِ اولیٰ کا مطلب:

گناہ، لغزش، نسیان اور خطائے اجتہادی کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے، جس کو کہتے ہیں: خلافِ اَولیٰ۔ سوال: خلافِ اولیٰ کا کیا مطلب ہے؟ جواب: ''اَولیٰ'' کہتے ہیں: بہتر کو۔ تو خلافِ اولیٰ، یعنی بہتر کے خلاف کرنا کہ: دو کام ہوں، دو صورتیں ہوں، دو چیزیں ہوں، اور دونوں جائز ہوں، بالکل (بلا کراہت) جائز ہوں، لیکن اُن میں سے ایک زیادہ بہتر ہو اور دوسری کم بہتر ہو تو زیادہ بہتر کو چھوڑ دینا، کم بہتر کو اختیار کر لینا، اِس کو کہتے ہیں: ''خلافِ اولیٰ''۔

خلافِ اولیٰ کام بھی شریعت کی نظر میں ”گناہ“ نہیں ہوتا کیوں کہ دونوں پہلو جائز ہوتے ہیں۔ اور جائز کو اختیار کرنا ”گناہ“ نہیں ہوسکتا۔

لغزش، نسیان، خطائے اجتہادی اور خلافِ اولیٰ گناہ نہیں:

گزشتہ گفتگو سے ہمیں معلوم ہوگیا ہے گناہ وہ ہے جس میں گناہ ہونے کی پانچوں شرائط پائی جائیں، [۱]-شریعت کا حکم ہو۔ [۲]-حکم بھی واضح ہو۔ [۳]-اُس حکم کی خلاف ورزی پائی جائے۔ [۴]-وہ کام انسان نے اپنے ارادے سے کیا ہو۔ [۵]-اُس میں بھول نہ ہوئی ہو۔

خطائے اجتہادی چونکہ غیر واضح حکم میں ہوتی ہے، اِس لیے وہ گناہ نہیں۔ بلکہ اس پر تو نیکی ملتی ہے، اِس لیے اِس کے گناہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لغزش اور نسیان ظاہراً اور صورتاً تو گناہ ہیں، لیکن چونکہ ان میں ”ارادہ“ نہیں ہوتا، یا ”بھول“ ہوتی ہے، اِس لیے شریعت کی نظر میں وہ بھی گناہ نہیں۔

عصمت کا معنیٰ:

اَب آتے ہیں ہم عصمت کی طرف کہ انبیاء کی عصمت کیا ہوتی ہے؟ عصمت کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ عصمت کا لغوی معنیٰ ہے: پاک دامنی، حفاظت، بے گناہی۔ اور عصمت کا شرعی معنیٰ ہے کہ: ایسا وصف، ایسی صلاحیت، ایسا ملکہ کہ انسان میں گناہ کا اختیار باقی رہے‘ طاقت باقی رہے‘ قدرت باقی رہے‘ گناہ کر سکتے ہوں، لیکن گناہ سرزد نہ ہو۔ یعنی وہ وصف گناہ کے اختیار کو ختم نہیں کرتا، لیکن گناہ سے انسان کو بہرحال باز رکھتا ہے۔ گویا اختیار اور طاقت کے باقی رہتے ہوئے گناہ سے بچائے رکھنے والے وصف کو ”عصمت“ کہتے ہیں۔ اور نبی کو صفتِ عصمت حاصل ہوتی ہے، اِس عصمت کی وجہ سے وہ معصوم ہوتا ہے۔

معصوم کا معنیٰ:

اَب معصوم کا معنیٰ کیا ہے؟ معصوم کا لغوی معنیٰ: معصوم اُسے کہتے ہیں: جو بے گناہ ہوتا ہے، جو پاک ہوتا ہے، جو گناہ سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ اور شرعی معنیٰ ہے: وہ ذات جس سے کسی طرح کا کوئی گناہ نہ ہو، نہ کبیرہ نہ صغیرہ۔ اُس ذات کو معصوم کہتے ہیں۔ اور انبیاء سارے کہ سارے معصوم ہیں۔

انبیاء کیوں معصوم ہیں؟

سوال: انبیاء کیوں معصوم ہیں؟ جواب: اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُمت کے لیے نمونہ بنایا ہے، اِس لیے ہر وقت اللہ تعالیٰ خود اُن کی حفاظت فرماتے ہیں، یعنی نبی اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے، اِس حفاظت کی وجہ سے اُن سے گناہ نہیں ہوتا۔ اور نبیوں پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا یہ پہرہ اُن کی پیدائش سے لے کر وفات تک قائم رہتا ہے، اِس لیے نبی اپنی پیدائش سے لے کر وفات تک ہر قسم کے گناہ سے بالکل معصوم ہوتا ہے۔ نہ اُس سے چھوٹا گناہ ہوتا ہے نہ بڑا، نہ دعویٰ نبوت سے پہلے نہ دعوی نبوت کے بعد۔

نبی کے بارے میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ نبی کے سامنے کوئی غلط کام ہو رہا ہو تو نبی اُس پر خاموش نہیں رہ سکتا، اِسی لیے یہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر نبی کے سامنے کوئی کام ہوا، اور نبی اس پر خاموش رہے تو اِس کا مطلب ہے کہ وہ کام جائز ہے، ٹھیک ہے، ہم وہ کام کر سکتے ہیں۔ یا نبی کے سامنے کسی چیز کا تذکرہ کیا گیا ہے، نبی اُس پر خاموش رہیں تو اِس کا مطلب ہے کہ وہ کام ٹھیک ہے، جائز ہے۔

تو نبی جو دوسروں کی غلطی پر خاموش نہیں رہ سکتا وہ خود کیسے گناہ کرے گا؟ اِس لیے ہم کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ سب انبیاء معصوم ہیں اور سب انبیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت کی صفت حاصل ہے، اس عصمت کی وجہ سے کسی نبی سے کوئی گناہ نہیں ہوتا، اگرچہ گناہ کا اختیار اور طاقت باقی رہتی ہے۔

وصفِ عصمت اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور مہربانی:

یوں سمجھ لیں کہ عصمت کی صفت اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، یہ وصف' یہ صفت انسان کو نیکی پر اُبھارتی ہے اور گناہ سے روکتی ہے۔ گویا یہ کہہ لیں کہ عصمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت اعلیٰ درجہ کا کمال آجاتا ہے، پھر محبت کا یہ کمال، معرفت کا یہ کمال نیکی کے کام پر اُبھارتا ہے اور بُرے کام سے منع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شدید محبت نبی کو گناہ سے روک کر رکھتی ہے:

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی عام انسان کو کسی دوسرے انسان سے بہت شدید محبت ہو تو وہ چاہتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ میں اپنے محبوب کے کسی حکم بلکہ چاہت کی بھی خلاف ورزی نہ کروں، تاکہ وہ مجھ سے ناراض نہ ہو، حالانکہ اُس محبت کرنے والے میں، یعنی محبّ اور عاشق میں محبوب کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی طاقت موجود ہوتی ہے' قوت موجود ہوتی ہے' اُس کی بات نہ ماننے کی قدرت موجود ہوتی ہے' اُس کے حکم یا چاہت کی خلاف ورزی کرنے کا اختیار موجود ہوتا ہے، لیکن وہ نہیں کرتا، کیونکہ دِل میں اُس کی محبت ہوتی ہے، تو وہ چاہتا ہے کہ میرا محبوب مجھ سے راضی رہے۔ تو نبی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ایسی شدید محبت ہوتی ہے کہ نبی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اگرچہ نبی کے اندر خلاف ورزی کی قوت' طاقت اور اختیار موجود ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود نبی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں۔

جیسے ہم دیکھتے ہیں دنیا میں کوئی سچا محبّ، سچا عاشق اپنے محبوب کی نافرمانی کرنا تو دُور کی بات ہے، نافرمانی کا اِرادہ بھی نہیں کرتا، سوچتا بھی نہیں کہ میں اس کی نافرمانی کرلوں، داؤ لگے تو نظر بچا کے کرلوں، چھپ کے کرلوں، بلکہ کسی حال میں بھی نہیں کرتا، تو اِسی طرح نبی کے دل میں عشقِ الٰہی اتنا راسخ اور پختہ ہوتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کا سوچتا بھی نہیں ہے، وہ گناہ کا اِرادہ بھی نہیں کرتا، گناہ کرنا تو بڑی دُور کی بات ہے، نبی گناہ کا اِرادہ بھی نہیں کرتا۔

چند اہم نکات:

نکتہ ۱:- جو شخص گناہ کرتا ہے، اُسے گناہ گار کہا جاتا ہے، اور گناہ گار کو شریعت ''فاسق'' کہتی ہے۔ شرعی عدالت میں فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ کیا نبی کے بارے میں یہ تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ نعوذ باللہ وہ فاسق ہو یا اُس کی گواہی قابل قبول نہ ہوسکے؟ (ہرگز نہیں!)

نکتہ ۲:- گناہ گار شخص سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ کیا نبی کے بارے میں یہ سوچا بھی جاسکتا ہے کہ وہ سزا کا مستحق ہے؟ (بالکل نہیں!)

نکتہ ۳:- گناہ کو ظلم اور گناہ گار کو ظالم قرار دیا گیا ہے۔ کیا نبی ظالم ہوسکتا ہے؟ (کبھی بھی نہیں۔) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **لاینال عهدی الظالمين**. [بقرہ:۱۲۴] میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کے سر پر تاج نبوت نہیں رکھتے جس نے ظلم (گناہ) کا ارتکاب کرنا ہے۔

نکتہ ۴:- بڑی شخصیات کی سزا بھی بڑی ہوتی ہے۔ کیا نبی بڑے عذاب کا شکار ہوسکتا ہے؟ (نہیں)

عقیدہ عصمتِ انبیاء: قرآن کی روشنی میں:

[۱]- اگر ہم اِس عقیدے کو قرآن کی روشنی میں دیکھیں تو قرآن پاک میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا ہے: ''**ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله**. [آل عمران:۳۱] اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو! اللہ تم سے محبت رکھے گا۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی پابندی نہیں لگائی کہ فلاں چیز میں اتباع کرو، فلاں میں نہ کرو! بلکہ ہر چیز میں، ہر بات میں نبی کی پیروی اور اتباع کا کہا ہے۔ تو اِس سے پتہ چلا کہ نبی کا ہر ہر عمل نمونہ ہے۔ اگر نبی معصوم نہ ہو تو اس کا ہر ہر عمل نمونہ کیسے بن سکتا ہے؟ اگر نبی سے گناہ ہونے کا اِمکان ہو تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ: ''نبی کی اطاعت کرو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی محبت ملے گی۔'' بھلا کبھی گناہ کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت ملتی ہے؟ اللہ تعالیٰ جو فرما رہے ہیں کہ: ''نبی کی اطاعت کرو اللہ تم سے محبت کریں گے۔'' اِس سے معلوم ہوا کہ نبی سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے اللہ نے فرما دیا کہ نبی کی پیروی کرو۔

[۲]- اور قرآن پاک میں ایک اور آیت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة**''. [احزاب:۲۱] ''اسوۂ حسنہ'' فرمایا، کہ: اللہ کے رسول کی پوری زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اگر نبی کی زندگی میں کوئی ایک بات بھی گناہ یا نافرمانی کی ہوتی تو لازمی بات ہے کہ وہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ بتا دیتے کہ نبی کی فلاں بات کے علاوہ باقی ساری زندگی تمہارے لیے نمونہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا اِستثناء نہیں کیا، بلکہ مطلقاً پیروی کا حکم دیا۔ تو اِس سے پتہ چلا کہ نبی کی پوری زندگی ہی نمونہ ہے اور یہ تبھی ہوسکتا ہے جب نبی کی زندگی میں گناہ اور نافرمانی بالکل نہ ہو۔

نمونہ مرضی کے سو فیصد مطابق ہوتا ہے، جو مطابق نہ ہو اُس میں خامی کی نشاندہی کی جاتی ہے:

ہم دیکھتے ہیں کہ ہم درزی کو ماپ (ناپ) کے لیے کپڑے دیتے ہیں، اگر وہ پورے ماپ کے نہ ہوں تو ہم اسے کہہ دیتے کہ ہیں: بھائی! اِس کے باز و تھوڑے لمبے ہیں، وہ ایک انچ چھوٹے رکھنا۔ ہمارا ماپ ٹھیک نہ ہو تو ہم اُسے بتاتے ہیں۔ اگر نبی کی بھی کوئی چیز ایسی ہوتی کہ جس کے مطابق اللہ کو نمونہ نہیں چاہیئے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی کہہ دیتے کہ اِس چیز کے علاوہ پیروی کرو، جیسے حدیث شریف میں مسلمانوں کو امراء کی اطاعت کا حکم ہے۔ لیکن ساتھ معصیت کا استثناء بھی ہے کہ اگر مسلمانوں کا امیر کسی گناہ کا حکم دے تو اس کام میں اس امیر کی اطاعت جائز نہیں۔ [بخاری: ۲۷۹۶] لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کی پوری زندگی کو نمونہ بنایا اور کسی چیز کا استثناء نہیں کیا تو اِس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کے عمل میں ذرہ بھر بھی کمی بیشی نہیں ہے، بلکہ پوری زندگی شریعت کے عین مطابق ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور بتا دیتے۔ تو اِس سے یہ ثابت ہوا کہ نبی اپنے ہر عمل میں معصوم ہے۔

[۳]- اسی طرح قرآن پاک کی ایک آیت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **"من یطع الرسول فقد اطاع الله"**. [نساء: ۸۰] جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اگر رسول سے گناہ سرزد ہونا ہوتا تو پھر ظاہر بات ہے کہ اُس گناہ کی اطاعت بھی کوئی کرتا اور جب کوئی اس کی اِطاعت کرتا تو وہ بھی اللہ کی اِطاعت سمجھی جاتی۔ کیا گناہ بھی اللہ کی اِطاعت ہوتا ہے؟ تو پھر گناہ میں اور اطاعت میں فرق کیا رہا؟ نیکی اور بدی میں فرق کیا رہا؟ نیکی اور گناہ میں فرق کیا رہا؟ نیکی کہتے ہیں اللہ کی اطاعت کرنا اور گناہ کہتے ہیں اللہ کی نافرمانی کرنا، تو اگر نبی سے گناہ ہونا ہوتا پھر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ: ''جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اِطاعت کی۔'' اللہ نے تو قرآن میں یہاں تک فرمایا ہے: **"ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله"**. [فتح: ۱۰] ''جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی انہوں نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔'' تو نبی کی اطاعت اللہ کی اطاعت تبھی ہو سکتی ہے جب نبی گناہوں سے بالکل معصوم ہو۔

[۴]- اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کامل پسندیدہ فرمایا ہے: **"وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَار"**. [ص: ۴۷] کہ وہ اللہ کے پسندیدہ ہیں اور اللہ کے بہترین چنیدہ بندوں میں سے ہیں اور مخلص ترین بندوں میں سے ہیں۔ نبی اللہ تعالیٰ کے کامل، پسندیدہ، بہترین، چنے ہوئے لوگ اور مخلص ترین لوگوں میں سے ہیں، تو یہ ساری چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں یہ تبھی ہو سکتا ہے جب نبیوں کا باطن نفس سے بھی اور شیطان کی تابعداری سے بالکل پاک ہو، ان سے بالکل گناہ کا صدور نہ ہو، تب ہو سکتا ہے۔ اور یہ جو اندر چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ ہمارے کامل اخلاص والے بندے ہیں، بہترین چنے ہوئے لوگ ہیں، اِن کی ہر چیز ہمیں پسند ہے۔ اِسی کا نام تو ہے کہ نبی کو ایک عصمت حاصل

ہے، اس کی وجہ سے گناہ نہیں ہوسکتا۔

[۵]- اور قرآن پاک میں ہے: "**اطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون** . [آل عمران: ۱۳۲] اور اللہ اور رسول کی بات مانو تاکہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔" یعنی رسول کی اطاعت باعثِ رحمت ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی سے کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہونے کا سبب ہو۔ ورنہ نبی کی اِس طرح مطلق اطاعت کا حکم نہ دیا جاتا۔

[۶]- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "**وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** . [نساء: ۶۴] اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی مقصد کے لیے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔" جب رسول کو بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اُس کی اطاعت کی جائے، تو رسول کی اطاعت فرض ہوئی۔ اور یہ اطاعت فرض تبھی ہوسکتی ہے جب رسول معصوم ہو اور اُس سے کوئی گناہ اور نافرمانی نہ ہو۔

[۷]- "**وما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربّٰنیین** . [آل عمران: ۷۹] یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ! اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ۔" معلوم ہوا کہ اللہ کا نبی اپنے قول یا عمل سے لوگوں کو ایسے عمل کی دعوت نہیں دیتا جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو۔ اور نبی کا عمل چونکہ نمونہ اور دعوت ہوتا ہے، اِس لیے نبی خود بھی رضائے الٰہی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔

[۸]- نیز نبی نے اپنے آپ کو بطور نمونہ پیش کر کے دوسروں کو گناہوں سے بچنے کی تلقین کرنی ہے، اگر نبی سے گناہ ہو جائے تو لوگوں کے طعنہ سے کیسے بچے گا؟ اور خود کو بطور نمونہ کیسے پیش کرے گا؟

لغزش اور بھول شانِ نبوت کے خلاف نہیں:

یہاں تک تو یہ بات ہوگئی کہ نبی سے گناہ نہیں ہوسکتا، گناہ جسے معصیت کہتے ہیں، نافرمانی کہتے ہیں، وہ کسی نبی سے سرزد ہونا بالکل ممکن نہیں ہے۔ لیکن نبی چونکہ خدا نہیں ہوتا، اس کی خدائی شان نہیں ہوتی، خدائی صفات کا مالک نہیں ہوتا، نہ خدا ہوتا ہے نہ وہ فرشتہ ہوتا ہے، بلکہ انسان ہوتا ہے، اِس لیے اُس سے لغزش اور بھول ہوسکتی ہے، لغزش اور نسیان (بھول) کا معنی ہم پڑھ چکے ہیں۔ یہ دونوں چونکہ گناہ نہیں ہیں، اِس لیے یہ عصمت کے خلاف بھی نہیں ہیں، معصوم ہونے کے خلاف بھی نہیں ہیں، معصوم انسان سے لغزش اور بھول ہوسکتی ہے۔

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کی لغزش کی بھی فوراً اصلاح فرما دیتے ہیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم نے لوگوں کو نبی کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اور لوگ اس لغزش یا بھول کو بھی دین نہ سمجھ لیں، وحی نہ سمجھ لیں، اِس لیے

اللہ تعالیٰ اُس لغزش کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔ تو اِس سے دونوں باتیں حاصل ہو جاتی ہیں: لغزش ہو گئی، اس سے یہ پتہ چل گیا کہ نبی کو خدائی کے منصب پر فائز نہیں سمجھنا، وہ انسان ہے، اُن کو انسانیت کے مرتبہ پر ہی سمجھنا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے اُن سے لغزش یا بھول ہو گئی۔

اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی لغزش کی فوراً اصلاح بھی فرما دی تو اِس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ نبی سے یہ جو کام ہوا تھا یہ لغزش کی وجہ سے ہو گیا تھا، غلطی یا غلط فہمی سے ہو گیا تھا، یہ دین نہیں ہے۔ اور ہم یہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ لغزش جو ہے وہ ظاہراً گناہ لگتی ہے، لیکن حقیقت میں گناہ نہیں۔ جیسے انسان روزے میں جان بوجھ کر ایک لقمہ بھی کھائے تو گناہ ہے، حرام ہے، کفارہ بھی بھرنا پڑتا ہے۔ لیکن کلی وغیرہ کرتے ہوئے بلا ارادہ پانی اندر چلا جائے۔ یا ابھی سورج غروب نہ ہوا ہو، لیکن کسی نے سمجھا کہ غروب ہو گیا ہے اور کھا پی لیا تو اسے لغزش کہتے ہیں، یہ گناہ نہیں ہے، اِس لیے کفارہ نہیں ہے۔ (البتہ روزہ کی قضا لازم ہو گی۔)

خطائے اجتہادی بھی عصمت کے خلاف نہیں:

اسی طرح نبی سے اجتہادی خطا بھی ہو سکتی ہے، بعض اوقات کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں آیا ہوتا، نبی اُس میں اجتہاد کر لیتے ہیں۔ تو اس میں اجتہادی خطا نبی سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ اجتہادی خطا پر بھی نیکی ملتی ہے تو نبی کو نیکی مل جاتی ہے، لیکن نبی چونکہ اُمت کے لیے نمونہ ہوتے ہیں، اِس لیے اللہ تعالیٰ نبی کی اجتہادی خطاء کی بھی نشاندہی فرما دیتے ہیں، نبی کی اجتہادی خطا کو بھی اللہ تعالیٰ باقی نہیں رہنے دیتے اور بتا دیتے ہیں کہ یہاں نبی سے اجتہاد میں خطا ہو گئی ہے۔

وحی الٰہی میں نبی سے بھول بھی ناممکن ہے:

اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بعض معاملات میں تو نبی سے بھول ہونا، سہو ہونا، نسیان ہونا' ممکن ہے، لیکن جو دین ہے، جو وحی الٰہی ہے، جو تبلیغ اَحکام ہے، اُس میں نبی سے خطا ہونا' ناممکن ہے، یہ محال ہے۔ ورنہ سارا دین مشکوک ہو جائے گا۔ وحی کی حفاظت کا اللہ پاک نے خود ذمہ اُٹھایا ہے، اِس لیے نبی کو اُس میں بھول اور غلط فہمی بھی نہیں ہوتی۔ اللہ نے نبی کو نبی بنایا ہی اِس لیے ہے کہ وحی لوگوں تک پہنچائے اور اگر نبی اسی میں بھول جائے، یا غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو پھر دین کیسے پہنچے گا؟ اللہ نے نبی کو نبی بنایا ہی اس لیے ہے کہ لوگوں کو احکام کی تبلیغ کرے اور نبی اسی میں بھول جائے تو پھر سارا دین' ساری شریعت مشکوک ہو جائیں گے۔ اِس لیے دین، وحی اور احکام شریعت میں نبی سے بھول نہیں ہو سکتی۔ اللہ پاک خود فرماتے ہیں: "ان **علینا جمعه وقرآنه** . [قیامہ: ۱۷] یہ وحی آپ کے سینے میں محفوظ کرنا اور آپ کی زبان پر اِسے جاری کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔"

نبی کی بھول میں بھی اُمت کے لیے خیر:

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفر میں نماز قضاء ہوگئی تھی، اِسی طرح ایک مرتبہ نماز میں بھول ہوگئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا تا کہ اُمت کو سجدہ سہو اور فوت شدہ نمازوں کا حکم بھی معلوم ہوجائے اور طریقہ بھی آجائے۔ اور یہ کوئی گناہ تو تھا نہیں۔ آپ آرام فرما رہے تھے، نیند کی وجہ سے نماز رہ گئی۔ یہ کوئی گناہ نہیں کہ انسان اپنی طرف سے کوشش کرے، الارم لگائے' کسی کو جگانے کا کہے پھر بھی جاگ نہ آئے اور نماز چھوٹ جائے تو یہ گناہ نہیں۔ اِسی طرح نماز میں بھول جانا بھی کوئی گناہ نہیں۔ تو یہ گناہ تو تھا نہیں، اِس لیے نبی سے ایسے کام ہوگئے، تا کہ اُمت کو قیامت تک کے لیے حکم معلوم ہو جائے کہ اس کا حکم کیا ہے۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ سہو اور نسیان میں بیرونی اثرات ہوتے ہیں، اَندر سے نبی کا گناہ کا اِرادہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ جیسے علماء نے پانی کی مثال دی ہے کہ پانی کو گرم کیا جاتا ہے تو باہر سے اس کو تپش لگتی ہے، آگ لگتی ہے، اس کی وجہ سے وہ گرم ہوجاتا ہے، لیکن وہ گرم پانی بھی آگ پر ڈالیں تو وہ آگ کو بجھا دے گا، پانی کے اندر جو تاثیر ہے وہ بہر حال ٹھنڈی ہی رہے گی، اس کی تاثیر میں برودت ہی برودت (ٹھنڈک) ہے۔

اگر نبی معصوم ہیں تو اُنھیں تنبیہات کیوں ہوئیں؟

سوال: اگر نبی سے کوئی گناہ نہیں ہوتا تو بعض اوقات انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہات کیوں ہوئیں؟ جواب: نبی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، اس کی شان بہت بلند ہوتی ہے، تو اس شان اور مقام کا تقاضا یہ ہے کہ اُن سے کوئی معمولی سی لغزش بھی ہوجائے تو اس پر اللہ تعالیٰ تنبیہ فرما دیں۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک ہی چیز کسی آدمی کے لیے انعام کا باعث ہوتی ہے اور کسی دوسرے کے لیے وہی چیز ملامت کا باعث۔ مثلاً کوئی خاندان سے باہر کا، دُور کا تعلق دار آدمی کسی کی عیادت اور بیمار پرسی کے لیے آئے اور پانچ منٹ بیٹھ کر چلا جائے تو اُس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ یہ پوچھنے کے لیے آیا، تیمارداری کے لیے آیا۔

اور اگر والد بیمار ہو اور اپنا بیٹا تیمارداری کے لیے آئے اور پانچ منٹ بیٹھ کر چلا جائے تو اُس کو ملامت کی جاتی ہے کہ تیرے والد بیمار ہیں اور ہسپتال داخل ہیں اور تو وہاں جا کر ٹھہر بھی نہ سکا، پانچ منٹ بیٹھ کر واپس آگیا۔ دیکھیں! بیٹے کے ساتھ تعلق قریبی تھا، بیمار والد کے پاس پانچ منٹ بیٹھنا اُس کے لیے ملامت کا باعث ہے، جبکہ دوسرے شخص کے ساتھ تعلق دُور کا تھا، لہٰذا اُس کا پانچ منٹ بیٹھنا شکریہ کا باعث ہے۔

نبی معصوم ہیں تو استغفار کیوں کرتے ہیں؟

سوال: اگر نبی معصوم ہیں، اُن سے کوئی گناہ نہیں ہوتا تو پھر نبی استغفار کیوں کرتے ہیں؟ اُن کے استغفار کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے۔

جواب: [۱]- پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ذات ہے، لہٰذا اُس کے سامنے ہر اِنسان کو عاجزی کا اظہار کرتے رہنا چاہیے، ڈَرتے رہنا چاہیئے۔ اِس انکساری‘ عاجزی کے اظہار کے لیے انبیاء استغفار کرتے رہے۔

[۲]- اور دوسری بات یہ ہے کہ استغفار سے انسان کے درجات میں ترقی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ بہت سی آیات وروایات میں یہ بات موجود ہے۔ اس لیے انبیاء استغفار کرتے رہے کہ اُن کے درجات میں ترقی ہو، جیسے اور عبادات کرتے رہے، ایسے استغفار بھی ایک عبادت ہے، وہ بھی کرتے رہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی وفات سے پہلے فرمایا: ”**فسبح بحمد ربک واستغفرہ**“. [نصر:۳] تو تسبیح اور استغفار کا حکم دیا کہ اَب آپ کے جانے کا وقت قریب آرہا ہے، آپ استغفار کیجئے۔ اِسی لیے فرشتے بھی استغفار کرتے ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہیں۔

[۳]- اور تیسری بات یہ ہے کہ انبیاء کی زندگی اُمت کے لیے نمونہ ہے، اگر وہ استغفار نہ کرتے تو یہ نمونہ استغفار سے خالی ہوتا۔ اُمت کو ترغیب اور دعوت دینے لیے بھی انبیاء استغفار کرتے ہیں۔

انبیاء لغزش سے معصوم کیوں نہیں؟

سوال: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو معصوم رکھا، گناہوں سے اُن کی حفاظت فرمائی، یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ لغزشوں سے بھی اُن کی حفاظت فرمائیں اور ان سے کوئی لغزش نہ ہونے دیں۔ ایسا کیوں نہیں ہوا۔ یہ لغزشیں انبیاء سے کیوں ہوئیں؟ جواب: اللہ تعالیٰ کی بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں، ساری مصلحتوں کو انسان جان تو نہیں سکتا، لیکن کچھ مصلحتیں کبھی انسان کی سمجھ میں آبھی جاتیں ہیں، کبھی کوئی مصلحت اللہ اور نبی بیان بھی فرمادیتے ہیں۔ تو انبیاء سے جو لغزشیں ہوئیں، اور اُس لغزش کے بعد وہ فوراً نادم ہوئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت کا اظہار کیا، توبہ کی، تو اِس سے اللہ تعالیٰ کے قرب میں اضافہ ہوا اور جو اُن کے بارے میں ایک تصور آسکتا تھا کہ کہیں یہ خدائی منصب کے حامل تو نہیں ہوگئے، اس تصور کی نفی ہوگئی کہ جو چیزیں انسانی فطرت میں شامل ہیں، بھول، چوک، لغزش وغیرہ وہ انبیاء سے ہوسکتی ہیں۔ نہ وہ گناہ ہے، نہ اس پر اپنا اختیار ہے، انسان جان بوجھ کر تو نہیں بھولتا، فطری طور پر بھول ہوجاتی ہے۔ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام بھی بھول گئے تھے۔ قرآن پاک کہتا ہے: ”**فنسی ولم نجد لہ عزما**. [طٰہٰ:۱۱۵] پھر آدم سے بھول ہوگئی، اور ہم نے اُن میں (گناہ کا) عزم نہیں پایا۔“

انبیاء کی لغزشوں کا تذکرہ قرآن میں کیوں آیا؟

سوال: انسان ہونے کے ناطے انبیاء سے بھول چوک، لغزش وغیرہ ہوگئی۔ لیکن اُس کا تذکرہ قرآن میں کیوں کیا گیا؟ اِس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: [۱] - اس لیے کہ انبیاء اُمت کے لیے نمونہ ہیں، اُن کی لغزشیں قرآن میں آئیں تبھی تو لوگوں کہ پتہ چلا کہ انبیاء سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ اور لوگوں کو یہ بھی پتہ چلا کہ انبیاء نہ خدائی شان کے حامل ہیں، نہ یہ فرشتے ہیں بلکہ یہ انسان ہیں، انسانوں کو جو چیزیں لاحق ہوتی ہیں، اِن کو بھی لاحق ہو جاتی ہیں۔

[۲] - دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بھی کسی نبی سے کوئی لغزش ہوئی، تو انہوں نے اللہ کے حضور ندامت کا اظہار کیا، توبہ و استغفار کا راستہ اختیار کیا۔ اِس سے اُمت کو یہ سبق ملا کہ جب لغزش پر ندامت اور توبہ ہے تو نافرمانی و گناہ پر امتی کو بدرجہ اولیٰ ندامت ہونی چاہیے اور توبہ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

[۳] - اور اگلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی معمولی لغزشوں کو بھی بیان کر دیا، خلافِ اولیٰ کو بھی بیان کر دیا۔ تو اِس سے پتہ چلا کہ اُن کا کوئی گناہ ہوتا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ضرور بیان کرتے۔

[۴] - اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی لغزشیں بیان کر کے لوگوں کو یہ بتا دیا کہ انبیاء کی اتنی معمولی درجے کی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل تنبیہ ہے، اگر کسی نبی سے کوئی گناہ ہونا ہوتا تو وہ کتنا زیادہ قابل گرفت ہوتا۔ تو اِس سے انبیاء کی عصمت اور معصومیت کا پتہ چلا۔

معلوم ہوا کہ نبیوں کا استغفار کرنا عاجزی کے اظہار اور درجات کی ترقی کے لیے ہے۔ اور ان سے جو لغزشیں ہوئیں وہ اِس لیے کہ اُن کے بارے میں یہ تصور نہ ہو کہ وہ خدائی صفات کے حامل یا فرشتے ہیں۔ اور قرآن میں ان لغزشوں کا تذکرہ اُمت کے لیے آیا، تاکہ وہ بھی کسی غلطی کے بعد وہی طریقہ اختیار کریں جو لغزش کے بعد انبیاء اختیار کرتے ہیں۔ اور یہ بھی پتہ چل جائے کہ نبی معصوم ہیں، ان سے گناہ نہیں ہوتا۔

انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعض واقعات کی حقیقت:

بعض انبیاء کرام کی لغزش، بھول یا خطائے اجتہادی کے کچھ واقعات کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ عنوان کی مناسبت سے ضروری ہے کہ اُن واقعات کی حقیقت بھی مختصراً عرض کر دی جائے۔

(۱) - واضح منع کے باوجود آدم علیہ السلام کا مخصوص پھل کھا لینا کیوں گناہ نہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور حضرت حوا کو منع فرمایا تھا کہ آپ نے فلاں درخت قریب نہیں جانا۔ اُدھر اُن کا دشمن شیطان اُن کو پھسلانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا، چنانچہ اُس نے منصوبہ بنایا اور فوراً نہیں بہکایا، بلکہ کافی عرصہ انتظار کیا، اُس کے بعد اُس نے آدم علیہ السلام کو بہکایا، وہ بھی کیسے؟ کہنے لگا کہ: جب آپ نئے نئے جنت میں آئے تھے، اُس وقت آپ کے اندر اِس پھل کے کھانے کی صلاحیت نہیں تھی، اَب وہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے، (جیسے بچہ جب بالکل چھوٹا ہوتا ہے تو روٹی وغیرہ کھانے کی صلاحیت نہیں ہوتی، لیکن جب وہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو پھر صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔) لہٰذا اَب یہ پھل آپ کو نقصان نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اِسی لیے منع کیا تھا کہ اُس وقت آپ کو یہ پھل نقصان

دیتا، اَب آپ نے اتنا عرصہ جنت میں گزار لیا ہے، اَب آپ اس قابل ہوئے گئے ہیں، یہ کھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت کی جو مدت تھی، وہ ختم ہوگئی ہے۔[۱]-ایک تو اُس نے یہ جھوٹ بولا۔

[۲]- پھر اِس پر اُس نے اللہ کی قسم کھائی تو آدم علیہ السلام اُس کی جھوٹی قسم کی وجہ سے مغالطے میں آگئے۔[۳]-تیسرا اُس نے یہ کہا کہ یہ ایسا درخت ہے کہ آپ اِس کو کھالیں گے تو آپ ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے قریب رہیں گے۔ تو آدم علیہ السلام نے اللہ کے نام پر کھائی گئی قسم کا اعتبار کر کے، اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ پھل کھالیا اور یہ بات بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی مدت بیان ہی نہیں کی تھی۔ بھول کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے: **"فنسی"** پھر آدم سے بھول ہوگئی۔[طٰہٰ:۱۱۵]

اَب بتایئے کہ اِس میں کون سی بات گناہ کی ہے؟ اللہ پاک کی محبت میں' اُن کا قرب حاصل کرنے کے لیے جو کام کیا جائے، کیا اُسے نافرمانی اور گناہ کا اِرادہ بھی کہا جاسکتا ہے؟ نہ اُنھوں نے اللہ کی نافرمانی کا ارادہ کیا تھا اور نہ اُن کے دل میں ایسی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: **"ولم نجد له عزما"**. اور ہم نے اُن میں عزم نہیں پایا۔[طٰہٰ:۱۱۵] صرف اُن سے یہ لغزش ہوگئی کہ غلط فہمی سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق سمجھ کر کرلیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **"فعصیٰ آدم"** سو غلطی میں پڑ گئے آدم۔[طٰہٰ:۱۲۱]

سوال: اللہ تعالیٰ نے اِس پر تنبیہ کیوں فرمائی؟ جواب: اِس لیے کہ وہ نبی تھے اور نبی کی شان بہت بلند ہوتی ہے، تو اُن کی شان کا تقاضہ یہی تھا کہ اُن کو اِس پر اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے کہ آپ کو تو چاہیے تھا کہ آپ خوب غور و فکر کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو حکم دیا ہے اُس میں کوئی مدت بیان ہوئی ہے یا نہیں، آپ نے اس طرف دھیان نہیں دیا تو یہ آپ سے لغزش ہوگئی، اِس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔

سوال: آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی، اللہ پاک نے اُنھیں تنبیہ فرمائی اور جنت سے جانے کا صرف حکم دیا، آدم علیہ السلام نے جانے سے پہلے ہی توبہ کرلی جو اللہ پاک نے قبول بھی فرمالی۔ قرآن پاک میں اِس کا تذکرہ موجود ہے۔ توبہ قبول کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اُنھیں زمین پر کیوں اُتار دیا؟ جواب: اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں پیدا ہی اِس لیے کیا تھا کہ وہ زمین میں اللہ کے خلیفہ بنیں۔ اللہ پاک خود فرماتے ہیں: **انی جاعل فی الارض خلیفه**، میں زمین ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''[بقرہ:۳۰] زمین پر آدم علیہ السلام کو بطورِ تنبیہ نہیں بھیجا بلکہ جس مقصد کے لیے اُنھیں پیدا کیا تھا، وہ مقصد پورا کرنے کے لیے زمین پر اُتارا۔

(۲)-نوح علیہ السلام کا اپنے مشرک بیٹے کے لیے دعا کرنا؟

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا اور ایک بیوی (بیٹے کا نام ''یام'' اور لقب ''کنعان'' تھا، وہ اور

اُس کی والدہ واعلہ) ایمان نہیں لائے تھے، جبکہ اُن کی باقی بیویاں اور تین بیٹے ایمان لے آئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جب نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایمان والوں کو طوفان سے بچانے کے لیے کشتی تیار کریں تو اُن سے یہ بھی فرمایا کہ: ''جو لوگ ظالم بن چکے ہیں، (یعنی کافر ہیں۔) اُن کے بارے میں آپ نے مجھ سے کوئی بات (سفارش وغیرہ) نہیں کرنی۔ وہ ضرور ڈوب کر رہیں گے۔'' [سورۂ ہود: ۳۷] پھر جب عذاب شروع ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ: ''اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کرلیں، لیکن جن کے بارے میں پہلے بتایا جاچکا ہے (کہ وہ کفر کی وجہ سے ڈوب جائیں گے۔) اُنھیں سوار نہیں کرنا۔'' [ہود: ۴۰]

چنانچہ سب ایمان والے سوار ہو گئے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کافر بیٹے سے کہا کہ: ''پیارے بیٹے! تم کافروں کے ساتھ نہ رہو، اور ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ!'' لیکن وہ سوار نہیں ہوا اور پانی کی موجوں میں غرق ہونے لگا تو نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: ''میرا یہ بیٹا میرے گھر ہی کا ایک فرد ہے، اور (میرے گھر والوں اور باقی ایمان والوں کو نجات دینے کا جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے،) آپ کا وہ وعدہ بالکل سچا ہے۔ (لہٰذا اِسے بھی نجات عطا فرما دیں۔) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''(آپ کا یہ بیٹا ایمان والا نہیں ہے، اِس لیے) یہ آپ کے اہلِ خانہ یعنی گھر والوں میں شامل بھی نہیں ہے۔ (اِس لیے اِسے نجات نہیں ملے گی۔)'' [ہود: ۴۶]

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا تو پھر نوح علیہ السلام نے بیٹے کے لیے دعا کیوں فرمائی؟

جواب[۱]: بعض علماء نے لکھا ہے کہ: نوح علیہ السلام کا بیٹا ظاہراً کلمہ پڑھتا تھا، اِس لیے نوح علیہ السلام اُسے مومن ہی سمجھتے تھے۔ اور اُن کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ میرا بیٹا کافر ہے۔ لہٰذا اُنھوں نے دعا کردی۔ اِسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ مسلمان نہیں ہے، تو ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ: ''جس چیز کے بارے میں آپ کو علم نہیں ہے، اُس کا مجھ سے سوال نہ کریں۔'' اِس سے معلوم ہوا کہ اُنھیں بیٹے کے کفر کا علم نہیں تھا۔ اور شائد یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے بیٹے کے لیے تو دعا کی تھی، لیکن بیوی کے لیے نہیں کی۔ کیونکہ بیوی کا کفر اُن کو معلوم تھا۔

جواب[۲]: اور بعض علماء کہتے ہیں کہ: نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ میرا بیٹا کافر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ: ''کافروں کو کشتی میں سوار نہیں کرنا۔'' اِسی طرح یہ حکم تھا کہ: ''کافروں کو کشتی میں سوار کرنے کے لیے کوئی سفارش وغیرہ بھی نہیں کرنی۔'' نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو کفر کی حالت میں کشتی میں سوار ہونے کا نہیں فرما رہے تھے، بلکہ اُسے ایمان کی دعوت دے رہے تھے کہ ایمان قبول کرکے مومن بن

جائے اور پھر کشتی میں سوار ہو کر عذاب سے بچ جائے۔ اِسی طرح اُن کی اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی یہی تھی کہ میرا بیٹا بھی میرے گھر کا فرد ہے، اور میرے گھر کے مومن افراد کو آپ نے نجات دینے کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا اِس بیٹے کو بھی ایمان کی توفیق عطا فرمادیں، تاکہ وہ بھی نجات پا جائے۔ اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کی دعوت ودعا سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہیں آئی۔

سوال: جب نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں فرمائی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُنھیں تنبیہ کیوں فرمائی؟ جواب: اِس لیے کہ اُن کا دُعا کرنا خلافِ اَولیٰ یعنی بہتر کے خلاف تھے۔ وہ اِس لیے کہ نوح علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، اور نبی کی شان یہ ہے کہ وہ دعا کرنے سے پہلے یہ معلوم کرلے کہ یہ دعا کرنا، مناسب بھی ہے یا نہیں۔

(۳)۔ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فعل کی نسبت بڑے بت کی طرف کیسے کردی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یہ ہے کہ اُن سے قوم نے کہا کہ ہم میلے پر جارہے ہیں، قوم چلی گئی، ابراہیم علیہ السلام نہیں گئے اور قوم کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ اور کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر لٹکا دیا۔ جب قوم واپس آئی تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ تو ابرہیم علیہ السلام نے کہا کہ: ”**بل فعله كبيرهم هذا**. اِن کے اِس بڑے سردار نے کیا ہے۔“ [انبیاء: ٦٣] بعض بے ادب لوگ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ توبہ نعوذباللہ!!

(۱)۔حقیقت یہ ہے کہ یہ طنزیہ جواب تھا، جیسے طنز کے طور پر کوئی کسی کو جواب دیتا ہے، ایسا جواب تھا۔ اور طنز کے طور پر بات کہنا جھوٹ کے زمرے میں نہیں آتا۔ قوم کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ بت قادر مطلق ہیں، یہی حقیقی مؤثر ومختار ہیں، لہٰذا جو بھی کام ہوگا وہ قادرِ مطلق کی طرف سے ہوگا، جیسے ہم دنیا کے کام کرتے ہیں تو ہمارا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ کام اصل میں اللہ نے کیا ہے، فلاں چیز تو درمیان میں سبب بنی ہے۔ اسی طرح قوم کا عقیدہ یہ ہوا کہ اگرچہ ہاتھ ابراہیم کا استعمال ہوا ہے لیکن قوم کے عقیدے کے مطابق اصل قدرت بتوں کی تھی، لہٰذا اُن کے عقیدے سے رُو سے وہ بت ہی کرنے والے ہوئے۔ جیسے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرمایا: ”**وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى**. (اے پیغمبر!) جب آپ نے اُن پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ آپ نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔“ [انفال: ١٧] مٹی تو بظاہر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی مبارک سے خود پھینکی تھی، لیکن اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ آپ نے نہیں پھینکی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مؤثر حقیقی کی طرف منسوب کیا، حالانکہ بظاہر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھینکی تھی۔

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے بھی قوم کے عقیدے کے مطابق موثر حقیقی کے اعتبار سے یہ کہا تھا،

لہٰذا یہ جھوٹ نہیں ہے، قوم کو اُن کے عقیدے کے مطابق جواب دیا جو طنزیہ جواب تھا، اور اُن کو سمجھانے کے لیے تھا۔

ہم لوگ بھی گفتگو میں طنز کرتے ہیں، جیسے: کوئی شخص غیر معمولی کارنامہ کرکے دوسروں کو بتائے کہ: ''یہ میں نے کیا ہے۔'' اور دوسروں کو یقین نہ آئے تو حیرت سے پوچھتے ہیں کہ: کیا واقعی آپ نے کیا ہے؟ تو جواب میں وہ کہتا ہے: ''نہیں! آپ نے کیا ہے۔'' یا کہتا ہے: ''نہیں! میرے فرشتوں نے کیا ہے۔'' یہ طنزیہ جواب ہوتا ہے، جو جھوٹ کے زمرے میں نہیں آتا۔ اِسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''نہیں! ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔ (اِس سے پوچھ لو!)''

(۲)۔بعض مفسرین نے قرآن پاک کی اِس آیت کا مفہوم ایک اور طرح بیان فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ''**بل فعله كبيرهم هذا.**'' یہ ایک جملہ نہیں بلکہ دو الگ الگ جملے ہیں: ''**بل فعله**'' الگ جملہ ہے، اور ''**كبيرهم هذا**'' الگ جملہ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ: بلکہ اُس نے کیا۔ اور اِن کا بڑا یہ ہے۔ (یعنی میرے علم کے مطابق تو جس نے کرنا تھا، اُسی نے کیا۔ مراد خود ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ باقی بتوں کا بڑا یہ موجود ہے، تم اِس سے پوچھ کر تسلی کرلو کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟)

(۴)۔ابراہیم علیہ السلام کا ستارے، چاند اور سورج کو ''میرا رب'' کہنا؟

قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے باری باری ستارے، چاند اور سورج کے بارے میں کہا کہ: ''یہ میرا رب ہے۔'' [انعام: ۷۷]

سوال: ابراہیم علیہ السلام نے ستارے وغیرہ کو ''ربی'' کیوں فرمایا؟ جواب: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ستاروں کی بے بسی سمجھانے کے لیے سوالیہ انداز میں یہ بات کہی تھی۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کو اُس کی غلطی پر تنبیہ کے لیے کہتا ہے کہ: ''اچھا! یہ ایسے ہے؟ (اور مقصود ہوتا ہے کہ ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ ایسے ہے یا نہیں!)'' اور پھر دلائل سے اُس کی بات کو غلط ثابت کر دِکھاتا ہے۔ اِسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے قوم نے کہا کہ: ''اچھا! تو (تمہارے خیال میں) یہ ستارہ میرا رب ہے؟ (اَبھی دیکھ لیتے ہیں اِس کو)'' اور جب وہ غروب ہوگیا تو قوم سے کہہ دیا کہ غروب ہونے والا تو رب نہیں ہوسکتا۔

معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو رب کہنا اپنے عقیدے کے اِظہار کے لیے نہیں تھا۔ نہ ہی اُن کا سوال کسی شک کی وجہ سے تھا، اور نہ ہی وہ اپنے ذاتی غور و فکر سے توحید کی منازل طے کر رہے تھے، بلکہ اُن کا سوال مناظرانہ انداز میں قوم کو بات سمجھانے یا کم از کم لاجواب کرنے لیے تھا۔ اور ایسا کرنا نہ گناہ ہے، نہ پیغمبرانہ شان کے خلاف ہے۔ اِسی لیے اللہ پاک نے اِس پر اُنھیں کوئی تنبیہ بھی نہیں فرمائی۔ اگر یہ

اُسلوب اور طریقہ پیغمبرانہ شان کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور اُنھیں تنبیہ فرماتے۔

(۵)- یوسف علیہ السلام کے اِرادہ برائی کی حقیقت؟

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن پاک میں آتا ہے کہ زلیخا نے برائی کا اِرادہ کرلیا تھا، "**وهم بها لولا ان رء ا برهان ربه**. اور یوسف اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو وہ بھی برائی کا اِرادہ کرلیتے۔" [یوسف: ۲۴] اِس سے پتہ چلا کہ اُنھوں نے اِرادہ کیا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں کے "ارادہ" کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ اور نبی گناہ کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔

سوال: رب کی برہان سے کیا مراد ہے؟ جواب: علماء کرام نے اِس کے مختلف جواب دیئے ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ رب کی برہان سے مراد ان کا اَندر کا نور ہے، وہ اَندر کی عصمت کی صفت ہے، وہ اندر اللہ کی محبت ہے، اپنے ضمیر کی آواز ہے جو اللہ تعالیٰ نے رکھی ہوتی ہے۔ عصمت صرف انبیاء کے اندر رکھی ہے، ضمیر اور نورِ باطن ہر انسان میں رکھا ہے، اس کی وجہ سے انہوں نے اِرادہ بھی نہیں کیا۔ جب انہوں نے ارادہ ہی نہیں کیا تو اعتراض والی کوئی بات ہی نہیں!

(۶)- موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل جیسا فعل بھی کیوں گناہ شمار نہیں ہوتا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یہ ہے کہ اُن سے ایک آدمی قتل ہوگیا۔

[۱]- پہلی بات تو یہ ہے کہ اُنھوں نے اُس قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا، بلکہ اُنھوں نے تنبیہ کے لیے اُس آدمی کو ایک مکا مارا تھا۔ بھلا مکے سے کوئی آدمی مرتا ہے؟ لیکن اُس کی موت کا وقت آیا ہوا تھا، مکا بلا اِرادہ گردن کی کسی نازک رگ وغیرہ پر لگ گیا، جس سے وہ مر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد قرآن میں ہے: "**فعلتها اذا وانا من الضالين**". اُس وقت وہ کام میں ایسی حالت میں کرگزرا تھا کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ [شعراء: ۲۰] یعنی یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ ایک ہی مکا کھا کر مرجائے گا۔

[۲]- دوسری بات یہ ہے کہ وہ حربی کافر تھا اور حربی کافر کو شریعت میں مارنا کوئی منع نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ خلافِ اولیٰ ہے، خلافِ اولیٰ کا مطلب: مارنا بھی جائز تھا نہ مارنا بھی جائز تھا، مارنا جو ہے وہ خلافِ اولیٰ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں۔ نہ یہ کوئی گناہ ہے نہ کوئی نافرمانی ہے۔

(۷)- داوٗد علیہ السلام پر آزمائش کیوں آئی؟

قرآن پاک میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ: "اور داوٗد [علیہ السلام] کو خیال آیا کہ ہم نے دراصل اُن کی آزمائش کی ہے، اِس لیے انہوں نے پروردگار سے معافی مانگی اور جھک کر سجدے میں گر گئے۔" [سورۂ ص: ۲۲] سوال: وہ کیا آزمائش تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے اُنھیں آزمایا؟ جواب: حضرت

داوٗد علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ مل کر ایسا نظام الاوقات مرتب کر رکھا تھا کہ ہر وقت اہل خانہ میں سے کوئی نہ کوئی ضرور اللہ پاک کی عبادت میں مشغول ہوتا تھا۔ اِس طرح چوبیس گھنٹے اُن کے گھر عبادت ہوتی رہتی تھی اور کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا تھا جب گھر والوں میں سے کوئی بھی عبادت نہ کر رہا ہو۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ: ''یا اللہ! رات اور دِن میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں داوٗد یا آلِ داوٗد آپ کی عبادت نہ کر رہے ہوں۔'' (ظاہر بات ہے کہ اُن کا پختہ عقیدہ تھا کہ یہ سب کچھ اللہ پاک کی توفیق سے ہی ہو رہا ہے۔ لیکن الفاظ میں توفیق الٰہی کا اِظہار نہیں تھا، اِس لیے) اللہ تعالیٰ کو اُن کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اُنھیں بتلایا کہ یہ سب کچھ ہمارے فضل وکرم اور ہماری توفیق سے ہے، اگر ہماری توفیق نہ ہو تو آپ اور آپ کے گھر والے اِس نظام الاوقات کی پابندی نہیں کر سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ ہم آپ کو آزمائش میں ڈالیں گے، (تاکہ آپ کو اِس بات کا مشاہدہ ہو جائے کہ ہماری توفیق نہ ہو تو آپ کا یہ نظام الاوقات باقی نہیں رہ سکتا۔)

چنانچہ ایک دن جب وہ اپنے گھر میں عبادت میں مشغول تھے، دو آدمی اُن کے گھر کی دیوار پھلانگ کر اندر آئے اور اُن کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ داوٗد علیہ السلام اُن کی بات سننے اور فیصلہ کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اتنی دیر وہ اُس عبادت میں مشغول نہیں رہ سکے جس کا اُنہوں نے نظام الاوقات بنایا ہوا تھا۔ جس کا اُنھیں فوراً احساس ہو گیا کہ یہی وہ آزمائش ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے اللہ پاک سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گئے۔

سوال: بعض مفسرین کرام نے اِس مقام پر کسی خاتون کے حوالہ سے ایک قصہ نقل کیا ہے، اُس کی کیا حقیقت ہے؟ **جواب:** وہ قصہ نہ قرآن پاک میں ہے، نہ حدیث میں اور نہ ہی صحابہ کے اقوال وآثار میں، اِس لیے اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۸) - یونس علیہ السلام کا بلا اجازت جانا بھی نافرمانی نہیں؟

باقی رہا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا کہ وہ بلا اِجازت اپنی بستی سے چلے گئے اور ایک کشتی میں سوار ہوئے، پھر اُن کو مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔ تو پہلی بات یہ ہے کہ ہم نے یہ پڑھا ہے کہ گناہ وہ ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت ہو، خلاف ورزی ہو، یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بستی میں رُکے رہنے کا حکم ہی نہیں دیا تھا کہ آپ نے اِس بستی میں رہنا ہے، یہاں سے نہیں جانا۔ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم

ہی نہیں دیا تھا تو پھر ان کا بستی سے چلا جانا اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کیسے ہوئی؟ اگر حکم ملتا پھر وہ جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے تب گناہ شمار ہوتا۔

سوال: گناہ نہیں تھا تو پھر کیا تھا؟ جواب: خطائے اجتہادی!

سوال: جب گناہ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں کیوں رکھا؟ یہ تنبیہ کیوں ہوئی؟ جواب: وہ نبی تھے، نبی کی شان بہت بلند ہوتی ہے، اُس شان کا تقاضہ یہ تھا کہ ان کو تنبیہ کی جائے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں تھا کہ آپ نے یہاں رہنا ہے لیکن آپ کو وہاں سے جانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم یا اجازت کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔

(۹)-بدر کے قیدیوں کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد:

غزوۂ بدر میں کچھ کافر مسلمانوں نے قید کر لیے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے بارے میں کوئی حکم نہیں آیا تھا۔ اللہ پاک چاہتے تو پہلے ہی حکم بھیج دیتے، یا قیدی پکڑے جانے پر فوراً حکم بھیج دیتے، لیکن اللہ پاک نے نہیں بھیجا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں نبی پاک کے لیے اجتہاد کی گنجائش تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرمایا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ مناسب نہیں تھا۔ لیکن اَب آپ نے اعلان فرما دیا ہے تو اَب اِسی پر عمل کر لیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ: آپ نے اجتہاد کیوں کیا؟ اگر اِس معاملے میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہوتی تو اللہ پاک یہ فرماتے کہ آپ نے اجتہاد کیوں کیا۔

ایمانی تقاضا اور شرعی ذمہ داری:

یہ بعض انبیاء کے کچھ واقعات کی آسان فہم حقیقت ہے۔ بعض لوگ جنھیں لوگ مؤرخ سمجھتے ہیں، یا کچھ قلم کار ہیں یا کسی جماعت کے لیڈر ہیں وہ اِن واقعات کو لے کر نبیوں پر کیچڑ اُچھالتے ہیں۔ یاد رکھیے! کوئی مؤرخ ہو، قلم کار ہو، لیڈر ہو، چاہے بظاہر مولوی ہو، پیر ہو، دین دار لگتا ہو، صاحبِ علم دکھائی دیتا ہو، اگر وہ نبیوں پر کیچڑ اُچھالے تو ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اُس سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ اور اُس بے اَدب کا دفاع کرنے کے بجائے انبیاء کرام علیہم السلام کا دفاع کیا جائے۔ اُس شخص سے، اُس کی تحریر و تقریر سے، اُس کی جماعت و تنظیم سے، اُس کے غلط اَفکار و نظریات سے مکمل طور پر الگ اور جدا رہنا شرعی فریضہ ہے۔ **وما علینا الا البلاغ.**

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق جمہور اُمت کے چند ضروری عقائد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت میں جو کچھ مقام ومرتبہ تھا، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ خود حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحبت ومعیت کا یہ حال تھا کہ باہر سے آنے والے لوگ آپ کو حضور ﷺ کے گھرانے ہی کا ایک فرد خیال کرتے تھے۔ آپ شاید ایسے واحد صحابی ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں اپنی امت کے لیے اُن چیزوں کو پسند کرتا ہوں جن کو ابن مسعود پسند کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر جماعت صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے متعلق ایک ایسی بات ارشاد فرمائی جس سے ان کے صفات وامتیازات بھی واضح ہوجاتے ہیں اور دین میں ان کا مقام ومرتبہ بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ آپ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"قال ابن مسعود: من كان مستنا فليستن بمن قد مات، أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، كانوا خير هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، قوم اختارهم الله لصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم، ونقل دينه، فتشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم، فهم كانوا على الهدى المستقيم." [شرح السنة للبغوی، باب رد البدع والأهواء: ۱/۲۴۱. وراجع ایضا جامع الأصول: ۱/۲۹۲. وجمع الفوائد من جامع الأصول و مجمع الزوائد: ۱/۳۰. علامہ ابونعیم وغیرہ نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بھی نقل فرمایا ہے۔]

ترجمہ: ابن مسعودؓ نے فرمایا: جو اتباع کرنا چاہتا ہے تو ان کی اتباع کرے جو وفات پا گئے ہیں، وہ لوگ محمد ﷺ کے صحابہ ہیں، وہ اس امت کے بہترین لوگ تھے، امت میں سب سے زیادہ نیک دل لوگ تھے، علم میں سب سے گہرے تھے، سب سے کم تکلف والے تھے، وہ ایسی قوم تھی جسے اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چنا تھا، انہوں نے اس کے دین کو نقل کیا، لہٰذا ان کے اخلاق اور طریقوں کی پیروی کرو، کیونکہ وہ سیدھے راستے پر تھے۔

ایک اور موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله عز وجل نظر فی قلوب العباد، فوجد قلب محمد صلی الله علیه وسلم خیر قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه، وابتعثه برسالاته، ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد فوجد قلوب أصحابه خیر قلوب العباد فجعلهم وزراء نبیه صلی الله علیه وسلم یقاتلون عن دینه، فما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون سیئا..."[مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب فی الاجماع، رقم: ۸۳۲، ۱/۱۷۷]

ترجمہ: اللہ تعالی نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی، تو محمد ﷺ کے دل کو بندوں کے دلوں میں سب سے بہتر پایا، تو اس کو اپنے لیے چن لیا، اور ان کو اپنے پیغامات کے ساتھ مبعوث فرمایا، پھر محمد ﷺ کے دل کے بعد بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو آپ ﷺ کے صحابہ کے دلوں کو بہتر پایا تو ان کو اپنے نبی کے وزیر بنا دیا، جو ان کے دین کے لیے لڑتے ہیں، پس مسلمان جس کو اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے، اور جس کو مسلمان برا سمجھیں (وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔)

صحابہ کرام کے اخلاق وکردار اور ان کی دینی وشرعی حیثیت ومقام معلوم کرنے کے لیے تنہا یہ دو ارشادات بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو شخص ان حضرات کے حالات اور واقعات سے واقف ہو، اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہاں اس مقدس جماعت کے جو کچھ فضائل وشمائل گنوائے اور ان کا جو کچھ مقام ومرتبہ بیان فرمایا، وہ بالکل برحق اور واقع کے ایسے مطابق ہے جس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہے، آخر کہنے والا خود اسی جماعت کا ایک روشن فرد فرید بلکہ سرفہرست علمی رہنما ہے، وہ کسی جماعت کے متعلق کیونکر بے جا تکلف اور مبالغہ آرائی کی جسارت کر سکتا ہے!

یہ بھی بالکل سچ اور درست فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ تمام نوع انسانی میں سے ان خوش نصیب افراد کو اس علیم وخبیر ذات نے اپنے نہایت محبوب پیامبر ﷺ کی خدمت وصحبت اور اپنے پسندیدہ دین متین کی خدمت واشاعت کے لیے چنا ہے۔ اب ایسی جماعت اگر واقعی باکمال ثابت ہوتی ہے تو یہ چننے والے کی لیاقت وکمال کی دلیل ہے کہ کیسا حسن انتخاب فرمایا ہے! اور اگر جماعتی حیثیت سے یہ داغدار ثابت ہو جائیں اور ان میں کچھ بھی علمی واعتقادی کمزوری یا عملی خرابی متحقق ہو جاتی ہے تو یہ درحقیقت چننے والے کی کمزوری شمار ہوگی کہ اتنے اہم اور بھاری منصب کے لیے نا اہل اور بے بہرہ افراد کا انتخاب فرمایا جو کسی درجے میں اس عظیم منصب پر فائز ہونے کے مستحق نہ تھے۔ یہ یا تو چننے والے کی ناتجربہ کاری وناپختگی کا ثبوت ہے اور یا اس بات کا قرینہ ہے کہ کوتاہی وغفلت کے ساتھ یہ انتخاب عمل میں آیا ہے۔

حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) دین اسلام کے ایسے ستون ہیں جن کو اگر ڈھا دیا جائے تو دین وملت کی عمارت ایک لمحہ کے لیے بھی کھڑی نہ رہ سکے بلکہ ساتھ ہی قصہ پارینہ ہو جائے۔ پھر جس طرح عام انسان اس قابل نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ سے براہ راست رابطہ استوار کر کے اس کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرے اور پھر اس کے مطابق اپنی زندگی کی گاڑی روانہ کر کے اس کا تقرب حاصل کر سکے، بلکہ درمیان میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا واسطہ ضروری ہے، یوں ہی عام امت اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے درمیان اس مقدس جماعت کا واسطہ ناگزیر ہے اور ہم کسی بھی طرح اس بات کی اہلیت نہیں رکھتے کہ براہ راست حضور ﷺ سے خدائی تعلیمات اور اسلامی احکام وہدایات حاصل کر سکیں۔ نیز جس طرح خالق اور مخلوق کے درمیان کا واسطہ نہایت اہمیت، حسنِ اعتقاد، اور نظریاتی وعملی دونوں لحاظ سے نہایت وثوق واحترام کا حامل ومستحق ہے اور اس میں ذرہ بھر شک وتردد یا ناقدری وبے احترامی کی وجہ سے انسان دین اسلام کے سرحدات پار کر کے کفر کی تاریک گھاٹی میں داخل ہو جاتا ہے، یوں ہی رسول اللہ ﷺ اور عام امت کے درمیان کا واسطہ بھی اس جیسی اہمیت، احترام اور تقدّس کا متقاضی ہے۔ فرق اگر ہے تو یہی کہ کسی نبی کی نبوت کا انکار یا ان کی توہین بذاتِ خود کفر ہے جبکہ صحابہ کرام میں سے کسی کی صحبت (سوائے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کا انکار یا اس کی توہین وتذلیل کرنا فی نفسہ کفر نہیں ہے البتہ عموماً اِس رویے کی یہی نحوست ہوتی ہے کہ انجام کار کفر گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ (اصطلاحی الفاظ میں اِس کو یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ پہلی قسم کی توہین یا اِنکار ''علتِ کفر'' ہے۔ جبکہ دوسری قسم کا اِنکار وتوہین ''علامتِ کفر'' یا عادۃً مفضی الی الکفر ہے۔)

دورِ حاضر میں دیگر علامات قیامت کی طرح یہ نشانی بھی برسرِ عام دیکھی جارہی ہے کہ جگہ جگہ مختلف پیرایوں میں امت کے سلف صالحین کی توہین کی جارہی ہے، آئے دن ان پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے جارہے ہیں، اور حیرت وتعجب کی بات یہ ہے کہ دشنام درازی اور تنقید کا یہ نامبارک سلسلہ ایسے لوگوں کی طرف سے نہیں بڑھایا جارہا جو علم وعمل میں اس مقدس جماعت کے برابر یا ان کے قریب تر ہوں، بلکہ اعتقاد وکردار ہر سطح پر ان سے کمزور تر بلکہ کمزوری کی مجسم تصویروں کی جانب سے یہ سب کچھ کیا جارہا ہے۔ علم وقلم کے فتنے بھی پھوٹتے ہوئے محسوس ہورہے ہیں۔

اس لیے خیال ہوا کہ اس مقدس جماعت کے بارے میں جمہورِ اُمت جن جن باتوں پر متفق ہے، ان کو یکجا کر دیا جائے، شاید کسی مسلمان کے حق میں یہ سطور مفید ثابت ہو جائیں اور اس کو توفیق نصیب ہو جائے کہ اس مقدس جماعت کی حق تلفی کر کے اپنی دین وایمان کا سودا نہ کر بیٹھے۔ کسی عربی شاعر نے ایسے

ہی موقع پر بڑے نکتے کی بات کہی تھی

یا ناطح الجبل العالی لیکلمہ
أشفق علی الرأس لا تشفق علی الجبل

ترجمہ: اے بلند و بالا پہاڑ کو زخمی کرنے کے لیے اسے ٹکر مارنے والے! پہاڑ پر نہیں اپنے سر پر رحم کرو!

ذیل میں ان ہی باتوں کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن القطان فاسی اپنی مفید کتاب ''الاقناع'' میں تحریر فرماتے ہیں:

أجمعوا علی أن کل من صحب النبی صلی اللہ علیه وسلم – ولو ساعة – أو رآہ – ولو مرة – مع إیمانه به وبما دعا إلیه أفضل من التابعین بذلک. وأجمعوا علی الکف عن ذکر الصحابة رضی اللہ عنهم إلا بخیر ما یذکرون به. وأجمعوا أنهم أحق أن تنشر محاسنهم ویلتمس لأفعالهم أفضل المخارج، وأن ظن بهم أحسن الظن وأجمل المذاهب. وأجمعوا أن ما کان بینهم من الأمور الدنیویة لا یسقط حقوقهم. وأجمع المسلمون أنه لا یسبهم أو أحدًا منهم، ولا یطعن علیهم إلا فاسق. وأجمعوا علی هجران من انتقصهم أو أبغضهم أو نالهم بما یکرہ، وعلی معاداته وإبعادہ. وأجمعوا کلهم علی القول بقوله تعالی:"والذین جاء وا من بعدهم یقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان". [الاقتناع فی مسائل الاجماع، کتاب الایمان:۱/۵۹]

ترجمہ: تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسے آپ ﷺ کی معمولی صحبت نصیب ہوئی یا ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا وہ تمام تابعین سے افضل ہے۔ اور بجز خیر کے ان کا تذکرہ نہ کرنے پر بھی اتفاق ہے۔ اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ان کی اچھائیاں بیان کی جائیں، ان کے کاموں کو صحیح محمل پر حمل کریں، ان کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے اور اچھا رویہ رکھیں، اور ان کے درمیان جو دنیوی معاملات پیش آئے تھے ان کی وجہ سے ان کے حقوق ساقط نہیں ہوتے۔ اور مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ ان سب کو یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دینا جائز نہیں، اور ان پر صرف فاسق ہی طعن کر سکتا ہے۔ اور اجماع کیا ہے کہ ان کی تنقیص کرنے والے اور ان سے بغض رکھنے والے یا ان کو برائی سے یاد کرنے والے کا بائیکاٹ کیا جائے گا، اور ایسے آدمی کی دشمنی اور دور رہنے پر اجماع کیا ہے اور سب نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: [**والذین جاء وا من بعدهم یقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان**] پر عمل کرنے پر اجماع کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جماعت صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے متعلق درج ذیل باتوں پر (کم ازکم) اہل حق کا اتفاق ہے:

۱- ہر صحابی، تابعین اور امت کے دیگر نیک افراد سے افضل ہے۔

۲- مدح وتعریف اور خیر وبھلائی کے بغیر حضرات صحابہ کرام کا تذکرہ جائز نہیں ہے، یعنی ان کی عیب جوئی، تنقید اور تنقیص جائز نہیں ہے۔

۳- اگر ان کا کوئی کردار یا گفتار قابل اشکال واعتراض بن سکتا ہو تو اس کو درست محمل پر حمل کرنے کی پوری کوشش کی جائیگی۔

۴- ان کے درمیان جو دنیوی معاملات پیش آئے، ان اُمور کی وجہ سے ان کے حقوق ختم نہیں ہوتے اور اس بنیاد پر ان کی حق تلفی جائز نہیں ہے۔

۵- ان میں سے کسی ایک صحابی کی توہین وگستاخی بھی ناجائز، ممنوع اور موجب فسق ہے، جو شخص ایسی جسارت کرتا ہے وہ بالاتفاق فاسق ہے۔

۶- جو شخص ان کی توہین وگستاخی کرتا ہے، ان سے بغض وعداوت رکھتا ہے یا کسی اور صورت میں ان کی حق تلفی کرتا ہے، ایسے شخص کے ساتھ تعلق چھوڑنا، بغض رکھنا اور اس سے دُور رہنا ضروری ہے۔

۷- ان کے لیے دعاء مغفرت کرنی چاہیے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل باتیں بھی نصوص سے ثابت ہیں اور اہل حق کا ان پر اتفاق ہے:

۸- تمام صحابہ کرام یقیناً مؤمن اور جنتی ہیں، ان سے اگر گناہوں کا صدور ہوا بھی ہو، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کا واضح اعلان بھی فرمایا ہے۔

۹- ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور وہ سب اپنے کریم رب سے راضی ہیں۔

۱۰- وہ کافروں کے حق میں سخت اور آپس میں نرم تھے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے فضل کے طلب گار تھے۔

قرآن کریم میں ہے: **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ.** [**الأنفال: ۷۴**] ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: **وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ**

اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. [التوبة:۱۰۰] ترجمہ: اور جولوگ قدیم ہیں پہلے ہجرت کرنے والوں اور مدد دینے والوں میں سے اور وہ لوگ جو نیکی میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہوئے اور وہ اس سے راضی ہوئے، ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ.** [الفتح: ۲۹] ترجمہ: اور جولوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع وسجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے۔

۱۱-تمام صحابہ کرام تمام فضائل میں برابر نہ تھے بلکہ ان میں سے بعض دوسروں سے افضل بھی تھے۔ ان میں سب سے افضل وہی چار خلفاء کرام (خلفائے راشدین) ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی رحلت فرمانے کے بعد امت کی قیادت وسیادت کی بھاری بھر ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے کر احسن طریقے سے اس کی تکمیل فرمائی۔ پھر ان چاروں خلفاء کرام کے درمیان فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت کی ہے، یعنی سب سے افضل حضرت صدیق اکبر، پھر حضرت فاروق اعظم، اس کے بعد حضرت عثمان غنی اور پھر چوتھے نمبر پر حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

۱۲-تمام صحابہ کرام نیک وعادل تھے، ان میں سے کسی کو فاسق وظالم کہنا حرام اور خود ظلم ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**اعْلَمْ أَنَّ الَّذِي أَجمع عَلَيْهِ أهل السّنة وَالْجَمَاعَة أَنه يجب على كل أحد تَزْكِيَة جَمِيع الصَّحَابَة بِإِثْبَات الْعَدَالَة لَهُم والكف عَن الطعْن فيهم وَالثنَاء عيلهم. فَإِذا شهد تَعَالَى فيهم بِأَنَّهُم خير الْأُمَم وَجب على كل أحد اعْتِقَاد ذَلِك وَالْإِيمَان بِهِ وَإِلَّا كَانَ مُكَذبا لله فِي إِخْبَاره وَلَا شكّ أَن من ارتاب فِي حقية شَيْء مِمَّا أخبر الله أَو رَسُوله بِهِ كَانَ كَافِرًا بِإِجْمَاع الْمُسلمين.**" [الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، الخاتمة فى بيان عقائد أهل السنة والجماعة فى الصحابة رضوان الله عليهم:۲/۶۰۳]

ترجمہ: اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر کسی پر واجب ہے کہ تمام صحابہ کا تزکیہ کرے، ان کے لیے عدالت ثابت کرے اور ان پر طعن سے رکے، اور خیر کے ساتھ ان کا ذکر کرے۔ جب اللہ تعالی نے ان کے خیر الامم ہونے کی گواہی دی تو ہر کسی پر اس کا اعتقاد اور اس پر ایمان واجب ہے، ورنہ اللہ تعالی کے اس کے خبر کی تکذیب لازم ہوگی، اور اس میں شک نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی باتوں میں شک کرے وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”**واعتقاد أهل السنّة تزكية جميع الصّحابة والثّناء عليهم كما أثنى الله عليهم سبحانه وتعالى عليهم إذ قال: كنتم خير أمّة أخرجتْ للنّاس.**“[المسائرة مع المسامرة :۲۵۹] ترجمہ: اہل سنت کا عقیدہ تمام صحابہ کا تزکیہ اور ان کے ذکر خیر کا ہے، جیسے کہ اللہ تعالی نے ان کا ذکر خیر فرمایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: آپ بہترین امت ہو لوگوں کے نفع رسانی کے لیے نکالے گئے ہو۔

۱۳-ان میں سے کوئی ایک صحابی بھی انفرادی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں تھا (البتہ بحیثیت مجموعی جماعتِ صحابہ معصوم ہے۔[مدیر]) کہ انفرادی عصمت انسانوں کی حد تک صرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی خصوصیت اور انہی کا امتیاری وصف ہے۔ البتہ وہ محفوظ تھے یعنی ان سے عام طور پر گناہوں کا صدور نہ ہوتا تھا اور اگر کہیں کوئی گناہ صادر بھی ہوا ہے تو ایک طرف ان کو اپنی زندگی میں توبہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے اور ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت وجنت کا واضح اعلان بھی فرمایا ہے۔ بہرحال اگر اس مقدس جماعت میں سے کسی سے کہیں کوئی گناہ سرزد بھی ہوا ہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے وسیع فضل وکرم سے اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے۔

حضرات صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے متعلق اہل حق کا ان باتوں پر اتفاق ہے۔ یاد رہے کہ حضرات صحابہ کرام کا معاملہ نہایت نزاکت واہمیت کا حامل ہے، یہ حضرات دودھاری تلوار کے مانند ہیں کہ ایک طرف اگر ان کے ساتھ سچی عشق ومحبت، خیر وبھلائی کے ساتھ ان کا تذکرہ اور ان کی تابعداری دینی واُخروی لحاظ سے فوز وفلاح کا بڑا اور اہم ذریعہ ہے تو دوسری طرف ان کے ساتھ بغض وعداوت، تنقید وتنقیص کے ساتھ ان کو یاد کرنا اور ان سے اعراض وتنفر کرنا دنیا وآخرت، دونوں میں لعنت وہلاکت کا خطرناک سبب ہے جس کی وجہ سے لاکھوں افراد دین اسلام ہی کو سلام کر کے جہنم کے مستحق بن چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی سچی دلی محبت نصیب فرمائیں اور ان کے عقائد واخلاق میں سے کچھ حصہ عطاء فرمائیں۔

عبید الرحمٰن: دار الافتاء جامعہ محمدیہ، مردان......۲۰/۴/۱۴۴۴ھ

مولانا خیر الامین قاسمی، مردان

محکم اور متشابہ

یہ بات قرآن حکیم میں واضح الفاظ میں موجود ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کج فہمی ہے وہ اپنے عقائد اور اعمال میں متشابہات (غیر معلوم المراد) کی اتباع کرتے ہیں۔ اور نصوص متشابہات کا لفظی ترجمہ سنا کر لوگوں کو اس کے ظاہری معنی کی طرف بلاتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ جو آیات ہمارے عقیدہ کے موافق ہیں وہ محکمات ہیں۔ اور جو آیات فریق مخالف کے موافق ہیں وہ متشابہات ہیں۔ فرقہ مجسمہ، مشبہہ اور آج کل کے اہل حدیث [یعنی اہل حدیث بہ اصطلاح جدید] کا بھی یہی طریقہ واردات ہیں۔ لہٰذا ایک ایسا قانون چاہیے جس سے بآسانی محکم اور متشابہ کی تعین ہو جائے۔ اس سے قبل کہ ہم وہ قانون ذکر کریں۔ ہم سورہ آل عمران آیت: ۷/ میں چند فوائد قارئین کے سامنے لانا ضروری سمجھتے ہیں۔

آیت کریمہ: **ھوالذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات ھن ام الکتاب واخرمتشابھات ط فاماالذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله. ومایعلم تاویله الاالله والراسخون فی العلم یقولون امنابه کل من عندربنا ومایذکرالااولوالباب.** ترجمہ: وہی ہے جس نے تم پر کتاب اتاری، اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں، اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے، تو وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اشتباہ والی آیات کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے والے اور اپنی خواہش کے مطابق اس کا پہلو ڈھونڈنے کو۔ اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ کو معلوم ہے، اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ [آل عمران: ۷]

فائدہ ۱: اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی آیتوں کی دو قسمیں ہیں۔ محکم اور متشابہ۔

محکم کی تعریف: امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں" **فالمحکم لایعرض فیه شبھة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی**" یعنی محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح ہو اور اس پر لفظی یا معنوی اعتبار سے کسی قسم کا شبہ وارد نہ ہوتا ہو۔

متشابہ کی تعریف: امام راغب اصفہانیؒ ہی لکھتے ہیں کہ" **المتشابه ماا شکل تفسیره من حیث اللفظ والمعنی**" یعنی ایسی آیات جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل

ہو۔[بحوالہ معالم العرفان فی دروس القرآن: ۳۷/۴]

فائدہ ۲: محکمات اور متشابہات میں اصل محکمات ہیں، تو ظاہر ہے کہ متشابہات اس کی فرع ہیں اور چونکہ فرع اپنی اصل کے مخالف نہیں ہوتی، اس لیے متشابہات کا ایسا معنی ہرگز نہیں کریں گے جو محکمات کے خلاف ہو۔ اور یہی بات مفتی شفیع رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر بے نظیر میں رقم فرمائی ہیں۔ حضرتؒ لکھتے ہیں کہ:

''اور دوسری قسم کی آیات میں چونکہ متکلم کی مراد مبہم اور غیر متعین ہوتی ہے اس لیے ان آیات کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیے، جو معنی اس کے خلاف پڑیں، ان کی قطعاً نفی کی جائے، اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے مخالف نہ ہو۔''

[معارف القرآن: ۲۰/۲]

پھر حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک عجیب مثال سے مسئلہ سمجھایا ہے، چونکہ آیت کا شان نزول نجران کے عیسایوں کی تردید ہے جو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ عقیدہ تثلیث پر مناظرہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے دعوی توحید پر اللہ تعالی کی صفات، حیات دائمہ، قدرت کاملہ، علم محیط اور قدرت تخلیق سے استدلال کیا اور یہ سب مقدمات نصاری کو تسلیم کرنا پڑے، جب توحید ثابت ہوگئی تو اسی سے عقیدہ تثلیث کا بطلان بھی ثابت ہوگیا، تو نصاری نے متشابہات یعنی ان آیات سے دلیل پکڑی جن میں عیسی علیہ السلام کو ''روح اللہ'' یا ''کلمۃ اللہ'' کہا گیا ہے۔

اب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن حکیم کی محکم آیات موجود ہیں کہ'' **ان ھو الا عبد انعمنا علیه**'' اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ'' **ان مثل عیسی عنداللہ کمثل آدم خلقه من تراب**'' جن سے ثابت ہے کہ عیسی علیہ السلام اللہ تعالی کے بندے ہیں خدا نہیں ہیں لیکن اب اگر کوئی شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے صرف ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح منہ'' وغیرہ متشابہات کو لے دوڑے اور اس کے وہ معنی لینے لگے جو محکمات قرانیہ اور متواتر بیانات کے منافی ہوں تو یہ اس کی کج روی اور ہٹ دھرمی ہو جائے گی۔

[معارف القرآن ایضا بتغیر یسیر]

فائدہ ۳: محکم اور متشابہہ کے درمیان بظاہر ٹکراؤ نظر آتا ہے، مگر واقع میں دونوں میں کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ کیونکہ دونوں قسم کی آیتیں اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا'' **کل من عند ربنا** ''سب ہمارے پاس سے ہے۔ نیز دوسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں کہ'' **ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیه اختلافا کثیرا.**''

چونکہ قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، لہٰذا اس کی آیات: چاہے محکمات ہوں یا متشابہات ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ لہٰذا آیات متشابہات کا ظاہری معنی جو محکمات کے برخلاف ہوتا ہے وہ ہرگز مراد نہیں ہوتا ورنہ

آیت قرآنی میں آپس میں ٹکراؤ لازم آئے گا۔

فائدہ۴: سلیم الفطرت لوگ آیات متشابات کے بارے میں زیادہ تحقیق وتفتیش نہیں کرتے بلکہ اس پر اجمالاً ایمان لاتے ہیں۔ اور کج فہم لوگ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ نے اماں جان عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: ’’فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو متشابہات کی تفتیش میں لگے ہوئے ہیں تو آپ ان سے دُور بھاگیں، کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالی نے قرآن میں کیا ہے۔

(بخاری شریف جلد۲، بحوالہ معارف القرآن: ۳۱/۲)

محکم اور متشابہ کی پہچان کا طریقہ:

مضمون کے شروع میں ہم نے عرض کیا تھا کہ ایک ایسا قانون چاہیے کہ جس سے بآسانی یہ فیصلہ ہوسکے کہ یہ آیت محکم ہے اور یہ متشابہ۔ تو اس بارے میں امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک قاعدہ تحریر فرمایا ہے، چنانچہ حضرت لکھتے ہیں کہ:

”واعلم ان هذاموضع عظيم فنقول: ان كل واحدمن اصحاب المذاهب يدعى ان الآيات الموافقة لمذهبه محكمة وان الآيات الموافقة لقول خصمه متشابهة، فالمعتزلى يقول قوله فمن شآء فليومن ومن شآء فليكفر[الكهف: ۲۹]محكم وقوله وماتشآئون الاان يشآء الله رب العالمين[التكوير: ۲۹]متشابهة، والسنى يقلب الامرفى ذالک، فلابدهھنامن قانون يرجع اليه فى هذا الباب، فنقول: اللفظ اذاكان محتملا لمعنيين وكان بالنسبة الى احدهماراجحا،وبالنسبةالى الآخرمرجوحا، فان حملناه على الراجح ولم نحمله على المرجوح، فهذا هوالمحكم. واما ان حملناه على المرجوح ولم نحمله على الراجح، فهذا هوالمتشابهه. فنقول: صرف اللفظ عن الراجح الى المرجوح لابدفيه من دليل منفصل، وذالک الدليل المنفصل اما ان يكون لفظيا واما ان يكون عقليا.“ (تفسیر کبیر زیر آیت سورہ آل عمران: ۷، جلد ۷ صفحہ ۱۴۰؛ ۱۳۹)

ترجمہ: اور جان لیں کہ یہ ایک عظیم مقام ہے لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ: بے شک تمام فرقوں کے ماننے والوں میں سے ہر ایک یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ آیات جو اس کے مذہب کے موافق ہیں وہ محکمات ہیں۔ اور وہ آیات جو اس کے فریق مخالف کے موافق ہیں وہ متشابہات ہیں۔

تو معتزلی کہتا ہے کہ اللہ تعالی کا قول ’’تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔‘‘ محکم ہے، اور اللہ تعالی کا قول ’’اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ سارے جہان کا رب۔‘‘ متشابہ ہے۔ [اس لیے کہ معتزلہ کے نزدیک بندے کی مشیت اللہ تعالی کے مشیت کے تابع نہیں، جب کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالی کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، راقم]

(بقیہ صفحہ 14 پر)

مولانا عمر فرید، ایبٹ آباد [فاضل: جامعہ دار العلوم کراچی]

سانحۂ ارتحال...... حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ

۱۸ر نومبر ۲۰۲۲ء کی شام مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا شمار اِس دور کی عظیم دینی، علمی اور روحانی شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ کی رحلت نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کے دینی، علمی اور عوامی حلقوں کے لیے باعث صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور تربیت کے لیے کتب سے زیادہ رجال کا انتظام فرمایا ہے۔ چنانچہ آسمانی کتب اور صحیفوں کے مقابلے میں انبیائے کرام کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔ انبیائے کرام کے بعد اُمت کی تربیت کے لیے علمائے کرام ہی کو وارث بنا کر اِس کارِ عظیم کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ یہ حضرات ہر دور میں کفر و ضلالت کی تاریکیوں کو ختم کرنے اور ایمان و ہدایت کی شمع جلانے میں اپنا کردار اَدا کرتے رہے۔ حدیث میں اِن اہلِ علم کے اُٹھ جانے کو علم کے اُٹھا لیے جانے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں نامور اہلِ علم کی ایک بڑی تعداد دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ یہ صورتحال مادیت سے پُر اور روحانیت سے دُور اِس پُر فتن عہد میں مسلمانوں کے لیے بہت پریشان کن اور نقصان دہ ہے۔

ولادت و تعلیم:

مفتی محمد رفیع عثمانی ۱۹۳۶ء میں بھارت کی مردم خیز سرزمین دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ آپ کا نام حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے رکھا۔ آپ کے والد ماجد مفتی محمد شفیع عثمانیؒ دار العلوم دیوبند کے مدرس و مفتی اور حضرت تھانویؒ کے اَجل خلفاء میں سے تھے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز دار العلوم دیوبند سے ہوا۔ شعبہ حفظ میں زیرِ تعلیم تھے، پندرہ پارے حفظ کر لیے تھے کہ اِس دوران قیام پاکستان کا واقعہ رونما ہوا اور آپ اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے کراچی منتقل ہوئے۔ کراچی میں حفظ مکمل کیا اور دار العلوم کراچی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا سحبان محمودؒ، مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ اور مولانا سلیم اللہ خانؒ جیسے کبار علماء شامل ہیں۔ درس نظامی کے بعد اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستانؒ کے زیر سایہ فتویٰ کی تربیت حاصل کی۔

تدریس:

تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد دار العلوم کراچی میں ہی تدریس کا آغاز فرمایا۔ آپ نے ساٹھ سالہ

زمانہ تدریس میں درس نظامی کے تقریباً تمام علوم وفنون کی کتب پڑھائیں۔ آخری عمر میں صحیح مسلم کی تدریس فرماتے تھے۔ اِسی سبق میں بندہ کو بھی آپ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ آپ سبق کی بھرپور تیاری کرتے، مشکل وپیچیدہ مباحث کو آسان ترین انداز میں سمجھا دیتے تھے۔ صحتِ عبارت اور حلِ کتاب کی طرف خاص توجہ ہوتی۔ حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا نام مبارک آتا تو ہر بار خود بھی مکمل درود پڑھتے اور طلبہ کو بھی تاکید فرماتے، درود شریف نہ پڑھنے یا جلدی میں پڑھنے پر سخت تنبیہ فرماتے۔ حدیث سے متعلق قدیم علمی وفقہی مسائل بیان کرنے کے ساتھ انہیں جدید حالات پر منطبق بھی فرماتے۔ صحیح مسلم میں ''کتاب الایمان'' بہت تفصیلی ہے، اس میں ایمان کی تعریف ومفہوم، قدیم وجدید فرقوں کے نظریات کے متعلق علمی وفکری بحث طلبہ کو بہت اہتمام کے ساتھ عام فہم انداز میں سمجھاتے۔ ایمان وکفر کے معاملے بہت احتیاط کی تاکید فرماتے۔ اسی طرح دنیا کے مختلف معاشی نظاموں، مادی فلسفہ، مغربی تہذیب اور سیاسی وفکری نظریات پر سیر حاصل بحث فرماتے۔ طلبہ کے سوالات کو توجہ سے سنتے اور تسلی بخش جوابات سے مطمئن کر کے چھوڑتے تھے۔

اخلاق وعادات:

نفاست، اُصول پسندی، نظم وضبط آپ کے مزاج کا حصہ تھا، اعتدال، وقار ومتانت، بشاشت، استقامت واستقلال آپ کی طبیعت کا لازمی جزو تھے۔ خود بھی اتباعِ سنت کا مجسمہ تھے اور دوسروں کو بھی اِس کی نصیحت فرماتے۔ ہمیشہ سلام میں پہل فرماتے، اپنے سے چھوٹے کو بھی خود سلام کرتے، سلام میں اُن سے پہل کرنا مشکل ہوتا۔ مصافحہ کے لیے دھکم پیل یا دوسروں کو تکلیف دینے پر سخت تنبیہ فرماتے۔ اُن کی زبان پر ہمیشہ یہ حدیث جاری رہتی: **"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده"** اِس حدیث کی روشنی میں وہ ہر مجلس اور بیان میں نصیحت فرماتے کہ آپ کی زبان یا ہاتھ سے کسی مسلمان کو معمولی تکلیف بھی نہ پہنچنے پائے۔ حقوق العباد کی رعایت رکھنے پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کا اصلاحی تعلق حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ سے تھا، ان کی صحبت میں رہ کر تصوف وسلوک کی منازل طے کرتے رہے اور انہی سے خلافت بھی حاصل ہوئی۔

پاکستان سے محبت:

آپ کے والد تحریکِ پاکستان کے سرگرم رہنما اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے دست وبازو تھے۔ اِس لیے آپ قیام پاکستان کے چشم دید گواہ اور طلبہ تحریک کے کارکن تھے۔ ہر سال یوم آزادی کے موقع پر بچپن کی ان یادوں کو بڑی عقیدت سے دہراتے۔ پاکستان کی سالمیت واستحکام کے حوالے سے بہت فکرمند رہتے، ملک وملت کی فلاح وبہبود کے لیے بقدر استطاعت کوشاں رہتے۔ ہر اُس نظریے، سوچ اور تحریک سے نفرت کرتے جو ملک کے داخلی وخارجی استحکام میں رخنہ ڈالے۔

دار العلوم کی صدارت:

آپ طویل عرصہ دار العلوم کراچی کے منصبِ صدارت پر فائز رہے۔ اِس دوران بہت سے نئے شعبہ جات قائم کیے۔ دار العلوم کی عظیم الشان مسجد اور دیگر اکثر تعمیرات آپ ہی کے زیرِ نگرانی پایہ تکمیل تک پہنچیں۔ آپ بہترین منتظم اور مدبر تھے، ہر ہر چیز کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیتے اور خود نگرانی کرتے۔ مسجد، درس گاہیں، دار الاقامہ، لائبریری سے لے کر مطبخ تک ہر جگہ صفائی ستھرائی، سلیقہ مندی، نظم وضبط اور حسن ترتیب آپ ہی کے نفیس ذوق کا آئینہ دار ہے۔ طلبہ کرام پر اپنے حقیقی بچوں کی طرح بہت شفقت فرماتے تھے۔ اُن کی سہولت وراحت کا ہر ممکن انتظام کرتے۔ تعطیلات میں طلبہ کی دُوری اور دار العلوم کی ویرانی پر اُداس رہتے اور طلبہ کی واپسی پر والہانہ خوشی کا اظہار فرماتے۔ مالی اُمور میں بہت احتیاط سے کام لیتے اور تمام شعبوں کو اس کی تاکید فرماتے۔

اتحاد واتفاق کی کوشش:

آپ کو مسلمانوں میں مخالفت، تعصب، پھوٹ اور فرقہ واریت سے سخت نفرت تھی۔ ہمیشہ سبق میں اور عوامی اجتماعات میں افتراق سے بچنے اور اتحاد واتفاق قائم کرنے کا درس دیتے۔ مختلف طبقات کے فروعی اختلافات کو مٹا کر آپس میں ملانے کی کوشش کرتے رہے۔

تصانیف:

ہمہ گیر مشاغل ومصروفیات کے باوجود آپ تصنیف وتالیف کے لیے وقت نکالتے۔ قدیم وجدید بیشتر موضوعات پر آپ کی گرانقدر تصانیف عوام وخواص میں مقبول ہیں۔ صحیح مسلم کی شرح درسِ مسلم، مسئلہ تقدیر، علاماتِ قیامت ونزول مسیح، کتابتِ حدیث، نوادر الفقہ، فقہ میں اجماع کا مقام، درس شرح عقود رسم المفتی، رفیقِ حج، یورپ کے تین معاشی نظام، دوقومی نظریہ، یہ تیرے پر اسرار بندے، انبیاء کی سرزمین میں، حیاتِ مفتی اعظم اور دیگر کتب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے خود نوشتہ وتصدیق کردہ فتاویٰ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ فقہ وفتویٰ سے آپ کو خصوصی مناسبت تھی، فکری اعتدال، دقتِ نظر، قوت استدلال اور فقیہانہ بصیرت آپ کو ودیعت کی گئی تھی۔ انہی خصوصیات کے پیشِ نظر آپ کو ۱۹۹۲ء میں مولانا یوسف لدھیانویؒ کی صدارت میں منعقدہ چار سو علماء کے ایک اجلاس میں بالاتفاق ''مفتی اعظم پاکستان'' کا لقب دیا گیا۔

آپ کا فیض:

آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ طویل عرصہ آپ دار العلوم کی مسجد میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب فرماتے رہے جہاں دور دراز سے سفر کر کے عوام الناس کی

کثیر تعداد شرکت و استفادہ کرتی۔ ملک بھر کے مدارس کی سالانہ تقریبات، دروسِ ختم بخاری اور دیگر دینی اجتماعات میں آپ کو مدعو کیا جاتا۔ ملکی وقومی معاملات میں حکومتی سطح پر مشاورت، مذاکرات وغیرہ میں آپ علمائے حق کی نمائندگی فرماتے۔ میڈیا پر دینی وملی امور پر آپ کی رائے اور تبصرے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ دنیا بھر کے چالیس سے زائد ممالک کا آپ نے سفر کیا اور مختلف مجالس ومواقع پر نہایت حکمت وبصیرت کے ساتھ دین کی شمع روشن کرتے رہے۔

آج مفتی صاحب رحمہ اللہ ہم میں نہیں رہے۔ ان کی رحلت پورے عالمِ اسلام کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ اُمت مسلمہ کے لیے ان کی عظیم دینی وملی خدمات کو سنہرے الفاظ میں یاد کیا جائے گا۔ ان کی زندگی، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کے اقوال ونصائح تلامذہ ومتعلقین اور عوام وخواص کے لیے بہترین سرمایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے فیض کو جاری وعام فرمائے۔ آمین ☆

بقیہ: ناراض لوگ (صفحہ نمبر 52 کا بقیہ)

-سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ یہ طبقہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع اور محبت میں خالق معاویہ سے بھی ناراض ہے کہ اللہ پاک نے آیت استخلاف میں ''منکم'' کا لفظ کیوں نازل کیا، اس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کا مصداق نہ بن سکے، یوں اِس طبقے کی نظر میں اللہ پاک بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان کا پورا خیال نہ رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ سے اِن کی ناراضگی کی دلیل یہ ہے کہ ان کی بعض تحریرات میں متذکرہ بالا آیت میں ''منکم'' کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

- (شاید یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اِس وجہ سے بھی ناراض ہوں کہ اُنھوں نے سیدنا معاویہ کو جلد دولت ایمان دے کر سابقین اولین میں کیوں شامل نہیں فرمایا۔ یوں بھی اللہ پاک نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے حقیقی مقام اور مرتبے سے محروم رکھا۔)

ایک سوال:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت ودفاع میں پوری اُمت مسلمہ، بعض صحابہ کرام، اہل بیت عظام، جناب رسول اللہ اور خود خالق کائنات سے ناراض اِن ''محبین وحامیان معاویہ'' کو کیا نام دینا چاہیے؟

دانا حامی یا نادان حامی:

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے ان کو ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی'' فرمایا تھا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ اُن کے دانا حامی ہیں یا نادان....!!!؟

☆......☆......☆......☆

ابو حسین معاویہ چار یاری

ناراض لوگ

اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کو مختلف درجات عطا فرمائے ہیں۔ نبیوں کا اپنا مقام ہے، صحابہ کا اپنا، تابعین اور اولیاء کرام کا اپنا۔ پھر انبیاء میں بھی مختلف مراتب ہیں، اِسی طرح صحابہ اور اولیاء میں بھی!

نیز بعض ہستیوں کو اللہ پاک نے اپنی حکمت و قدرت سے کسی خاص فضیلت سے نوازا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کا ''کلیم اللہ'' ہونا، کچھ انبیاء کا ''رسول'' ہونا، بعض رسولوں کا ''اولوالعزم'' ہونا وغیرہ۔ اِسی طرح صحابہ کرام میں بھی فضائل کے مراتب ہیں، اور بعض صحابہ کو کچھ خصوصی فضائل من جانب اللہ حاصل ہیں۔ جیسے: یارِ غار و مزار ہونا، ملہم من اللہ ہونا، ذوالنورین ہونا، خلیفہ راشد ہونا، عشرہ مبشرہ میں سے ہونا، سیف اللہ ہونا، جنتی جوانوں کا سردار ہونا، سید الشہداء ہونا، بدری ہونا، مہاجر ہونا وغیرہ۔

اِن مقدس ہستیوں سے محبت و عقیدت اور ان کے احترام کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس شخصیت کو جو مرتبہ اللہ پاک نے دیا ہے، اُسے دِل و جان سے تسلیم کیا جائے، اور اپنی خواہش، شوق اور ترجیحات یا کسی گمراہ فرقے کی ضد اور مخالفت کی بنیاد پر کسی کے مرتبے میں کوئی کمی بیشی نہ کی جائے۔

مگر بعض غالی مزاج لوگ جب تک اپنی پسندیدہ شخصیات کو اُن کے حقیقی مقام سے بڑھا کر اپنے خود ساختہ پسندیدہ مقام تک نہیں پہنچا دیتے، اُن کی انتہا پسندانہ عقیدت چین نہیں پاتی، یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اِس کے بغیر گمراہ فرقوں کی تردید کا حق ادا نہیں ہوتا۔ ولیوں کو صحابہ تک، صحابہ اور اماموں کو نبیوں تک اور نبیوں کو خدائی مقام تک پہنچا دینا یا محض عقیدت و شوق میں کسی خاص فضیلت کا حامل قرار دینا اور اپنی غالیانہ ترتیب کا اِنکار کرنے والوں پر تکفیر و تفسیق کے گولے داغنا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔

کاتبِ وحی، خلیفۂ عادل، صحابیٔ راشد بلکہ امام رُشد و ہدایت، ہادی و مہدی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بعض حضرات ایسی ہی انتہا پسندانہ عقیدت رکھتے ہیں اور اپنی من مانی عقیدت کو نہ ماننے والوں پر تبرا کر کے ''قلبی سکون'' پاتے ہیں۔ ایسے ہی غالی دوستوں کی نفسیات کو آشکار کرتی ایک فکاہیہ مگر حقیقت پر مبنی تحریر پیشِ خدمت ہے۔ [اِدارہ صفدر]

۔ بعض لوگ قائد اہل سنت وکیل صحابہ و اہل بیت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سے ''بہت ناراض'' رہتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ خلافتِ راشدہ موعودہ کو خلفائے اَربعہ میں منحصر کر کے حضرت قائد اہل

سنت نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان اور مقام کا پورا لحاظ نہیں رکھا، اُن کو چاہئے تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی خلفاء اَربعہ کی ''خلافتِ راشدہ'' جیسی خلافت قرار دیتے۔

- یہ ناراض لوگ جب چودہ سو سالہ محققین اہل سنت کی کتب دیکھتے اور اُن کے حوالہ جات سنتے ہیں تو اِن کی ناراضگی کا دائرہ اُن محققین تک بھی وسیع ہو جاتا ہے، کیونکہ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ ان سب کے ہم نوا اور ہم خیال نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اِن ناراض لوگوں کے نزدیک قاضی صاحب کی طرح چودہ سو سالہ محققین اہل سنت بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان و مقام کا لحاظ نہ رکھنے کے مجرم ہیں۔

- یہی لوگ نواسہ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی اِس لیے ناراض دکھائی دیتے ہیں کہ اُنھوں نے یزید کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ناراض لوگ کہتے ہیں کہ یوں امام حسین رضی اللہ عنہ بھی سیدنا معاویہ کے ادب و احترام اور اُن کی نسبت کی لاج رکھنے کا حق ادا نہیں کر سکے، اِس لیے یہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی ناراض ہیں۔

- یہ ناراض لوگ نواسۂ صدیق حضرت سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے تو کچھ زیادہ ہی ناراض نظر آتے ہیں، کیونکہ اُنھوں نے بھی یزید کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، جو ناراض لوگوں کے نزدیک نسبت معاویہ کی ''بڑی بے ادبی'' ہے۔

- اِن ناراض لوگوں کی ناراضگی کا دائرہ سیدنا حسین رضی اللہ کے والد گرامی سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ تک بھی پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اِن کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ راشد مقرر ہونے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن سے اختلاف کیا، (جو اجتہادی اختلاف تھا۔) ناراض لوگ سمجھتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی رائے سے اختلاف کر کے اُن کی شان اور مقام کی پوری رعایت نہیں کی، یوں وہ بھی اِس طبقے کی ناراضگی کا نشانہ ہیں۔

- حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ ناراض طبقہ اِس بات پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ناراض ہے کہ انھوں نے مدتِ خلافت تیس سال کیوں بیان فرمائی؟ اِس طبقے کی نظر میں یہ روایت اِرشاد فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سیدنا معاویہ کی شان و مقام کی رعایت نہیں فرمائی، لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کی خاطر اُن کی ''محبت و غیرت'' میں یہ طبقہ حدیثِ رسول سے بھی ناراض ہے۔

- (شاید یہ لوگ اِس بات پر بھی رسول اللہ سے ناراض ہوں کہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو عشرہ مبشرہ میں شامل نہ فرما کر بھی اُن کی شان و مقام کی پوری رعایت نہیں فرمائی۔)

(بقیہ صفحہ نمبر 50 پر)

از: مولانا عبدالمتین لیاری

انجینئر محمد علی مرزا: چند گزارشات

انجینئر محمد علی مرزا صاحب دراصل ایک مکینیکل انجینئر ہیں اوران کا تعلق ''جہلم'' شہر سے ہے؛ لیکن وہ انجینئرنگ سے زیادہ ''علوم اسلامیہ'' میں مصروف ہیں، اسی نسبت سے موصوف جہلم شہر میں ہی ''قرآن و سنت ریسرچ اکیڈمی'' کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، ادارہ کی پالیسیوں میں سرفہرست ''امت اسلامیہ کا اتحادواتفاق'' ہے اورمرزا صاحب کی ساری کوشش اسی حوالہ سے سامنے لائی جارہی ہے۔

لیکن اس ظاہری تعارف کے برعکس موصوف کا مجموعی کام کسی اور ہی رخ پرنظر آرہاہے جس سے واقف ہوتے ہی ''اتحادامت'' کا دھندلا ساعنوان بے معنی نظر آنے لگتا ہے۔

مرزا صاحب کا مجموعی کام دوحصوں پر مشتمل ہے: (۱) ویڈیو لیکچرز، (۲) ریسرچ پیپرز۔ قرآن و سنت ریسرچ اکیڈمی کی ویب سائٹ اور یوٹیوب چینل میں موجود موصوف کے لیکچرز کوسرسری عنوانات سے ہی دیکھ لیا جائے تو دور دور تک ''امت مسلمہ کے اتحاد'' کی کوشش نظر نہیں آتی؛ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ مباحث جن سے ہم بڑی ہی مشکل کے ساتھ کسی حدتک دامن چھڑا چکے ہیں بعینہ وہ سارے مسائل ایک ایک کرکے ایک نئے انداز میں پیش کیے جارہے ہیں۔ دراصل ''اتحادِ اُمت'' ایک آسان نعرہ ہے؛ لیکن اس کا نباہ بہت کٹھن ہے، حالیہ بہت سے فتنوں کی تاریخ معلوم کی جائے توان میں بیشتر اتحادامت کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں؛ لیکن کچھ ہی وقت گزرنے کے بعد ان کا اتحاد ایک مستقل فرقے کی شکل اختیار کرلیتا ہے جس کی ایک بہت بڑی مثال پرویزی فکر ہے، جس کا نعرہ ''اہل قرآن'' کے نام سے اٹھا؛ لیکن پردہ سرکتے ہی ''اِنکارِ حدیث'' کا تحفہ اُمت کو پیش کیا گیا۔

جیسا کہ ہر سلیم الفکر اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ امت مسلمہ کے عروج وترقی کی ایک اہم صورت اپنے جزوی وفروعی اختلافات کوایک طرف کرنے کے بعد بنیادی مشترکہ ایشوز پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے میں ہے؛ لیکن مرزا صاحب اِس اُصول کے بالکل برعکس اِن تمام مسائل کوفروعی ثابت کرنے اور ان کی حدود متعین کرنے کی بجائے ان کو الیکٹرانک اورسوشل میڈیا جیسا انتہائی عوامی اور رخیص میدان فراہم کررہے ہیں، جہاں سننے والوں کی استعداد کا کچھ پتہ ہی نہیں، مرزا صاحب کے متاثرین اگر دین کی ''اب ج'' ہی سے واقف نہیں تو وہ کس بنیاد پر ان کا حق پر ہونا جان سکتے ہیں۔ فی الوقت عوام الناس جن جن

وجوہات کی بنا پر منبر و محراب سے دُور ہو چکے ہیں ٹھیٹھ ویسا ہی رویہ اور مواد میڈیا میں سامنے لایا جا رہا ہے جس سے ہر وہ شخص جو علمی ضعف کا شکار ہے یقیناً فتنے کی سرحد کو چھو لے گا۔

انجینئر صاحب کے لیکچرز کو ایک ایک کر کے دیکھنے کے باوجود اِن میں کوئی بھی ایسا عنوان نہیں مل پاتا جو کہ امت میں موجود مادیت کے زہر اور روحانیت کے فوائد بتا سکے اور نہ ہی کوئی ایسا جو اِصلاحِ نفس اور تزکیۂ نفس کی معمولی جھلک بھی پیش کرتا ہو اور نہ ہی کچھ ایسا جو ہمارے اخلاقی انحطاط کی نشاندہی کرتا ہو؛ بلکہ سراسر ایسا مواد جس سے عوام الناس فقط تفریق و انتشار کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔

یہی حال موصوف کے ''ریسرچ پیپرز'' کا ہے جن میں سرتا مو کسی سنجیدہ اور متقاضی موضوع پر بحث نہیں کی گئی مثلاً اِلحاد، اِنکارِ حدیث، مغربیت، فحاشی، ضروریات دین وغیرہ۔ موصوف کے چند اہم اور بنیادی ریسرچ پیپرز کے نام ملاحظہ فرمائیں جن سے ان کا علمی ذوق اور فکری وسعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو کہ ان کی ویب سائٹ پر دستیاب ہیں: اندھا دھند پیروی کا انجام، رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت کا تحقیقی جائزہ، واقعۂ کربلا کا حقیقی پس منظر، جنگ جمل جنگ صفین، قبروں سے فیض سے متعلق عقائد کا تحقیقی جائزہ، جادو ٹونا جنات تعویذات، ۱۲/ ربیع الاول یوم وفات نہیں ہے، نجدی دراصل کون ہیں؟ ابن تیمیہ کے کچھ غلط عقائد، امام ابوحنیفہ کی اجتہادی غلطیوں سے متعلق۔

مذکورہ ساری صورتحال دراصل اختلاف کے پس منظر، پیش منظر اور اس کے اطلاق و غیر اطلاق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ اختلاف کو رحمت قرار دے رہے اور ہم زحمت، سو ایسی صورت میں اختلاف کو نظر انداز کر لینا اور اسے کالمعدوم جاننا ایک نئے فرقے کی بنیاد بن سکتا ہے۔

اختلاف کو سمجھنا اور اس کو سمیٹنا یا موقع محل کی حد تک زیر بحث لانا تو معقول بات ہے؛ لیکن جڑ سے ختم کرنا نہیں؛ کیونکہ یہ اختلاف فقہائے امت کی فقہی بصیرت اور لاجواب فقہی خدمات پر مشتمل ورثہ ہے، جس سے اِنکار اپنی تراث کا انکار کرنے کے مترادف ہے؛ بلکہ یہ امت مسلمہ کا خزانہ ہے جس سے وقتاً فوقتاً مفید از مفید نتائج سامنے لائے جا سکتے ہیں اور لائے جا چکے ہیں؛ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ایسی ٹھیٹھ علمی ابحاث کو سوشل میڈیا اور خاص کر یوٹیوب کی زینت نہ بنائیں؛ بلکہ اس کے لیے درس و تدریس، درس گاہ اور تصنیف و تالیف اور شعبہ تحقیق پر زور دیں، ورنہ وہ وقت دُور نہیں جب ایک عام شخص کامیڈی دیکھنے کی نیت سے یوٹیوب چلائے گا اور اپنے ناقص فہم، کے تحت روز روز نئے نئے اَفکار کا منظر پیش کرے گا جس کے پیچھے ایک نہ ختم ہونے والا انتشار ہو گا جو ہمیں تقسیم در تقسیم کرتا جائے گا۔

محمد علی مرزا صاحب بھی اختلاف کو ختم تو نہیں کر رہے؛ لیکن اسے اپنی جانب سے ایک الگ رنگ دینا چاہ رہے ہیں، جس کے نتیجے ایک عام شخص بے ساختہ علماء کی مخالفت پر اُتر آتا ہے کہ یہ ہمیں کچھ سکھاتے نہیں، غلط باتیں بتاتے ہیں، حقائق سے دُور رکھتے ہیں وغیرہ۔ پھر علماء میں موجود ان تمام خرابیوں کا تصور ذہن میں لا کر جب وہ ایک مسیحا کا سوچتے ہیں تو اُن کے ذہنوں میں فوری طور پر انجینئر مرزا صاحب چھا جاتے ہیں۔ اپنی بات کو ثابت کرنا بہت اچھی بات ہے؛ لیکن امت کے محسنین کو ڈراؤنا بنا کر پیش کرنا بالکل بھی مناسب بات نہیں جو کہ اِس وقت انجینئر صاحب سے متاثر ہر دوسرے شخص کا خاصہ ہے۔

نیز اِس سے اتحادِ اُمت کا دعویٰ کمزور پڑتا جا رہا ہے جس کی بنیادی وجہ اختلافی مسائل کی حقیقت کو نہ سمجھنا ہے؛ کیونکہ اِن اختلافی مسائل کا پس منظر جاننے والا شخص کبھی بھی ایک منفرد تشخص یا نظریات کا قائل نہیں ہو سکتا؛ بلکہ وہ ہر بات کو اکابر علماء کے طریق سے لینے کو پسند کرتا ہے اور اجماعی موقف اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ عجیب حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں مطالعے اور تحقیق کا ماحول نہ ہونے کے برابر ہے؛ لیکن جوں ہی کوئی مطالعہ شروع کرتا ہے تو رہنمائی نہ ہونے کے سبب جلد اجتہاد کے دروازے کی کنڈی کھولنے لگ جاتا ہے یعنی ہم نے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یا تو کبھی نہیں پڑھیں یا تو صرف اجتہاد کے لیے پڑھیں گے۔ درخواست ہے کہ پہلے اپنے فہم دین کے حصول پر بھرپور محنت کی جائے، کتابوں کے ترجمے پڑھ کر گزارا نہ کیا جائے اور جہاں جہاں اشکالات ہوں انھیں مختلف علمائے امت کی خدمت میں پیش کریں، اس کے بعد بات کرنا آسان رہے گا۔ ورنہ میں مطالعہ کرتا جاؤں اور کچی پکی جیسی تیسی اینٹ استعمال کر کے اپنے دین کا تصور تعمیر کرنے میں مصروف ہو جاؤں تو میری عمارت کچھ ہی وقت میں ڈھیر ہو جائے گی۔

ساتھ ساتھ اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ علمائے امت کا خوب ادب و احترام کیا جائے، اُن کی بات اور اُن کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اگر استعداد ہو تو کرنا بھی چاہیے؛ لیکن ان کے مقام، اُن کی محنت اور دین کے لیے اُن کی طویل خدمات کو مدنظر رکھ کر۔ یہ ناانصافی کی بات ہوگی کہ ہم علوم حدیث میں نیم صدی سے زائد مصروف کسی عالم کے بارے میں یکلخت جیسی تیسی زبان استعمال کریں۔

آخر میں یہ کہہ کر اِن سطور کا اختتام کرتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اُمت کو اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ عقیدے سے جوڑنے کی کوشش کی جائے اور اُمت کا اپنی تاریخ کے ساتھ رشتہ مضبوط کیا جائے۔ اگر ہم اپنی تاریخ اور سنیت کے عقیدے پر جم نہ سکے تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں کر سکتی۔

[ماہنامہ دارالعلوم دیوبند: دسمبر ۲۰۲۱]

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی

سنی (دیوبندی) لڑکی اور بریلوی لڑکے کا نکاح

باسمہ تعالیٰ

محترم جناب مفتی صاحب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم

ایک شخص کٹر بریلوی ہے، ''یارسول اللہ'' اور ''یا علی'' کے نعرے لگاتا ہے۔ اور ہر وقت سر پر ہری پگڑی باندھتا ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کو نُور اور ہر جگہ حاضر وناظر سمجھتا ہے۔ اور اہل السنۃ والجماعۃ (دیوبند) کی مساجد میں نماز نہیں پڑھتا۔ اور تمام مروجہ بدعات (عید میلاد النبی، گیارہویں شریف، جنازے کے بعد دعا، تیجہ، چالیسواں) کرتا اور کرواتا ہے۔

۱: ایسے شخص سے اہل السنۃ والجماعۃ (دیوبند) کے عقائد رکھنے والی لڑکی کا نکاح کیا جاسکتا ہے؟

۲: کیا ان دو مختلف عقائد رکھنے والوں کا شرعاً نکاح جائز ہے۔

المستفتی......طاہر جنرل سٹور، خیر پور ٹامیوالی، ضلع بہاول پور، پنجاب

الجواب باسم ملہم الصواب

جو شخص نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء واولیاء کو عالم الغیب، حاضر ناظر، مختارِ کل، متصرف فی الامور اور مشکل کشا سمجھتا اور پکارتا ہو وہ بلا شبہ مشرک ہے۔ اس کے ساتھ مسلمان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص کسی بھی شرکیہ عقیدے کا حامل نہ ہو، بلکہ محض بدعتی ہو، اس کے ساتھ نکاح اگرچہ ہو جاتا ہے، لیکن ابتلاء بدعت اور فسادِ عقائد کے اندیشہ کی وجہ سے ایسے شخص کو رشتہ نہیں دینا چاہیے۔ نیز تجربہ سے ثابت ہے کہ ایسے رشتے عموماً قائم نہیں رہ پاتے بلکہ لڑائی جھگڑے کا شکار ہو کر بالآخر علیحدگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے بھی احتراز ہی بہتر ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ''احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ:

''وہابیوں سے نکاح ہرگز جائز نہیں، مرد ہو یا عورت، اپنی لڑکی وہابی کو دینا ایسا ہے جیسے کتے کو دینا، یہ نکاح نہیں بلکہ جس نے اپنی لڑکی وہابی کو دی اس نے زنا کے واسطے دی ہے۔ سب اولاد حرامی ہوگی۔ وہابی لڑکی لینا بھی حرام ہے۔...... وہابی بالکل کافر ومرتد ہیں۔''

نیز اس نے ہمارے اکابر حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی اور حضرت مدنی رحمہم اللہ کو نام لے لے کر ''کافر مرتد'' لکھا ہے۔

اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا کیسا ہے۔ وہ اپنی لڑکی دیں گے تو کتا سمجھ کر دیں گے۔ پس تو بھی اُن کے نزدیک نکاح نہیں ہوگا۔ اولاد ہر حال میں حرامی ہوگی۔ [۲۹۵/۱۱]

وفی الخانیة والخلاصة: "لو تزوج بشهادة الله ورسوله، لاینعقد [النکاح]، ویکفر؛ لاعتقاده أن النبی ﷺ یعلم الغیب." [بحر الرائق...... کتاب النکاح ۹۴/۳]

"رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله کان باطلًا......وبعضهم جعلوا ذلک کفرا؛ لأنه یعتقد أن الرسول ﷺ یعلم الغیب، وهو کفر." [فتاویٰ قاضی خان ۱۶۴/۱]

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: جب انبیاء کرامؑ کو علم غیب نہیں تو ''یا رسول اللہ'' کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دُور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے۔ اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں، مگر کلمہ مشابہ بہ کفر ہے۔ [فتاویٰ رشیدیہ: ۲۰۴]

فتاویٰ دار العلوم کراچی میں ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر جاننا مشرکانہ عقیدہ ہے اور اس عقیدے سے یا رسول اللہ کہنا بھی شرک ہے۔ [۲۰۵/۱]

نجم الفتاویٰ میں ہے: جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر فعل کو دیکھنے والے ہیں تو ایسا شخص مسلمان نہیں۔ کیونکہ یہ تمام صفات صرف اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہیں۔ [۶۷/۱]

فتاویٰ مفتی محمود میں ہے: جو بریلوی ضروریات دین میں سے کسی ضرورت کا منکر ہے وہ کافر ہے اور اس کے ساتھ دیوبندیوں کی مناکحت جائز نہیں۔ اور جو ضروریات دین کا منکر نہ ہو وہ مبتدع ہے۔ ایسے مبتدع کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ لیکن اندیشہ ابتلاء بدعت ہو تو احتراز اولیٰ ہے۔ [۶۰۵/۴]

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے: ایسے فرقوں اور ایسے متعصب لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناکحت ومواکلت ومشاربت وغیرہ کو منع فرمایا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ان لوگوں سے اس قسم کے تعلقات بیاہ شادی کے قائم نہ کیے جائیں۔ [۱۳۸/۷]

☆......☆......☆......☆

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط: ۹

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

آیت محاربہ اور رجم:

غامدی صاحب اور اُن کے استاد امین احسن اصلاحی صاحب اور اُن کے استاد حمید الدین فراہی صاحب کا خیال یہ ہے (اور اِسی خیال کے سبب صرف مخصوص قسم کے زانیوں کی سنگ ساری کے قائل ہیں، چاہے غیر شادی شدہ ہوں، خصوصاً شادی شدہ ہونے کو سنگ سار کا سبب نہیں مانتے، ان کا موقف ہے) کہ سنگ سار کی سزا کا ماخذ آیتِ محاربہ ہے، وہ آیت یہ ہے: **اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَاداً اَنْ یُّقَتَّلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ الایۃ** ’’وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں، اور ملک میں فساد برپا کرنے کے لئے تگ ودو کرتے ہیں، اُن کی سزا بس یہ ہے کہ عبرت ناک طریقے سے قتل کئے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا اُن کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا جلاوطن کر دیئے جائیں۔

(ترجمہ غامدی صاحب، برہان: ۸۹)

قبل اس کے کہ اِس آیت کی تفسیر میں غامدی واصلاحی وفراہی کی رائے ذکر ہو، نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں جو کچھ مروی ہے اُس کا ذکر کیا جائے۔

آیتِ محاربہ کی تفسیر احادیث اور اسلاف سے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ قبیلہ عکل (عرینہ) کے کچھ لوگ رسول کریم ﷺ کے پاس آئے، اسلام لائے، مؤمن ہو گئے (پھر مدینہ طیبہ کی آب وہوا اُن کو موافق نہیں ہوئی، پیٹ خراب ہو گئے) آپ ﷺ نے اُن کو حکم دیا کہ (شہر سے باہر) صدقہ کے اونٹوں میں رہیں اور اُن کے دودھ پیا کریں، بالآخر مسلمان ہونے کے بعد کفر کر لیا (مرتد ہو گئے) اور اُنہوں نے اونٹوں کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک لے گئے، نبی کریم ﷺ کو خبر ہوئی آپ ﷺ نے اُن کے پیچھے آدمی بھیجے، اُن کو لایا گیا تو اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے، اور آنکھیں پھوڑی گئیں، اور گرم دھوپ میں چھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ مر گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول یہ روایت بیان کر کے حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ خبر پہنچی کہ اِنہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، ابو ہریرہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم، اور حضرت سعید بن مسیّب مرسلاً، عروہ بن زبیر مرسلاً، سعید بن جبیر مرسلاً، ابوالزناد مرسلاً ہیں رحمہم اللہ

اس حدیث کو بہت سے محدثین نے سنداً بیان کیا ہے صحیح بخاری [۶۸۰۲، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵] مسلم [۱۶۷۱/۹، ۱۶۷۱/۱۰] سنن ابوداؤد [۴۳۶۶، ۴۳۶۷، ۴۳۶۸] سنن نسائی [۴۰۲۴، تا ۴۰۴۳] مسند ابی یعلی [۳۰۴۴] کنزالعمال [۴۳۶۰، ۴۳۶۲، ۴۳۶۳] مصنف عبدالرزاق [۱۸۵۳۸، ۱۸۵۴۱] مکارم الاخلاق للخرائطی [۱۰۷۹]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اُن کے کئی جرم تھے، ڈاکہ ڈالنا، مرتد ہو جانا، چرواہے کو قتل کر دینا، چرواہے کی آنکھیں نکال دینا وغیرہ، اس لئے اُن کو سزا بھی ایسی دی گئی جو اُن کے جرائم کے مناسب ہو۔

امام شافعی و مالک وابوحنیفہ وابن عباس رحمہم اللہ اور اکثر علماء فرماتے ہیں یہ آیت ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضرت حسن بصری کہتے ہیں اُن ذمیوں کے بارے میں ہے جو عہد ذمہ توڑ کر اہل حرب سے جا ملیں، اور راستوں میں بدامنی پھیلا دیں، حضرت ابن عمر اور انس فرماتے ہیں مرتدوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ **(المعانی البدیعة فی معرفة اختلاف اهل الشریعة لمحمدبن عبدالله بن ابی بکر الصردفی ۴۴۵/۲)**

امام مالک وشافعی وابوثور اور احناف سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت اُن مسلمانوں کے بارے ہے جو خروج کر کے ڈاکہ ڈالیں، اور فساد فی الارض کی کوشش کریں، ابن المنذر نے اسی کو اصح کہا۔

(الاشراف علی مذاهب العلماء لابن المنذر ۲۳۷/۷)

سید سابق (۱۴۲۰ھ) لکھتے ہیں:

حرابہ (مال لینے یا قتل کرنے یا ڈرانے کے لئے نکلنا) یا ڈاکہ بڑے جرائم میں سے مانا جاتا ہے، اس لیے تو اللہ تعالی نے اِس کا ارتکاب کرنے والوں کو محاربین للہ ولرسولہ اور زمین میں فساد فی الارض کے ساعی قرار دیا اور اُن کے لئے سخت سزا مقرر کی۔ (فقہ السنة: ۴۶۵/۲)

اِن سب عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اِس آیت کے تحت وہ لوگ داخل ہیں جو ڈاکہ کے مرتکب ہوں، یا مسلمانوں کے خلاف اسلحہ لے کھڑے ہوں، باغی ہوں، چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ذمی، ایسے ہی جو مرتد ہو جائیں، اللہ تعالی نے اِس آیت میں اُن کی سزائیں مختلف بیان کیں، اُن سزاؤں سے متعلق بھی

ذرا تفصیل ہے۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) رحمہ اللہ کی بیان کی ہوئی تفسیر کا حاصل اس طرح ہے:

''اکثر محدثین اور سب فقہاء کے نزدیک یہ آیت ڈاکوؤں سے متعلق نازل ہوئی ہے،۔۔۔۔۔ان **يقتّلوا** سولی دیئے بغیر وہ قتل کئے جائیں اگر اُنہوں نے صرف کوئی انسان قتل کیا ہو، اِس کو باب تفعیل سے اس لئے لایا گیا ہے کہ اِن کی یہ سزا قصاص سے بڑھ کر ہے وہ اس طرح کہ اِن کا قتل حقِ شریعت ہے مقتول انسان کے ولی کے معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ آگے **يُصَلَّبُوْا** میں بھی یہی نکتہ ہے،۔۔۔ **اَوْيُصَلَّبُوْا** یعنی قتل بھی کئے جائیں اور سولی بھی دیئے جائیں، یہ اس وقت جب انہوں نے دو جرم اکٹھے کئے ہوں جان ماری ہو اور مال بھی لیا ہو،۔۔۔۔**او تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ** یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے جائیں، اُس وقت جب اُنہوں نے کسی مسلمان یا ذمی سے صرف مال لیا ہو، جس کی اتنی مقدار ہو کہ تقسیم ہو تو ہر ایک کو دس درہم یا اُن کے برابر ملے، یہ ہاتھ کاٹنا مال لینے کے بدلے ہوگا اور پاؤں کاٹنا راستہ میں بدامنی پیدا کرنے کی وجہ سے ہوگا،..**اويُنْفَوْامِن الارض** ، اگر انہوں نے سوائے ڈرانے کے اور فساد کی محض کوشش کرنے کے اور کچھ نہ کیا ہو تو پکڑ کر جیل میں ڈالے جائیں، اور اُن کو کھلا چلنے پھرنے نہ دیا جائے، اور اُن کو مناسب تعزیر بھی دی جائے۔۔۔۔۔چوں کہ یہ محاربہ اور فساد کئی مختلف صورتوں کا تھا اس لئے ہر صورت کے لئے خاص طریقے کی معین سزا بتائی گئی، اس لئے صحیح قول یہ ہے کہ یہاں حرف'' **اَوْ**''تقسیمِ سزا کے لئے ہے (تخییر کے لئے نہیں ہے) الفاظ میں تو کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جو دلیل ہو کہ ''**اَوْ**'' تخییر کے لئے نہیں ہے مگر (تخییر کے لئے نہیں لیں گے کیوں کہ) وحی کے ذریعے تقسیم کے لئے ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (روح المعانی: ۱۱۸/۶، ۱۱۹، ۱۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ یہ ڈاکوؤں سے متعلق ہے جب وہ قتل کریں اور مال لیں تو وہ قتل کئے جائیں گے اور اُن کو سولی دی جائے گی، اور جب قتل کریں اور مال نہ لیا ہو تو قتل کئے جائیں گے اور سولی نہ دیئے جائیں گے، اور جب مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو اُن کے ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹ دیئے جائیں گے، اور جب راستہ کو بدامن بنایا ہو اور مال نہ لیا ہو تو زمین پر چلنے سے روک دیئے جائیں گے، یہ تفسیر حضرت قتادہ، اوزاعی، شافعی، اور اہل رائے رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں۔

(تفسیر البغوی: ۴۵/۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ اِس آیت کے اترنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو ڈاکوؤں سے متعلق فرمایا کہ اگر ڈاکو نے مال لیا اور قتل بھی کیا ہو تو اُس کو سولی دی

جائے ، اور اگر قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو تو اس کو قتل کیا جائے ، اور اگر مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو اُس کے ہاتھ پاؤں اُلٹے کاٹ دیئے جائیں۔ (الدر المنثور: ۶۸/۳، ۶۹)

یہی تفسیر حضرت قتادہ اور عطاء خراسانی سے ہے البتہ اُس میں یہ بھی ہے کہ اگر ڈاکو یہ کام کرنے سے پہلے پکڑا گیا تو اُس کو زمین پر چلنے پھرنے نہ دیا جائے (جیل ڈال دیا جائے)۔ (الدر المنثور)

یہی تفسیر سدی سے بھی نقل ہے البتہ اُس میں ہے کہ اگر قتل بھی کرے اور مال بھی لے لے اُس کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے جائیں اور سولی بھی دی جائے۔ (الدر المنثور)

ان سب تفسیری روایات سے ثابت ہوا کہ آیتِ محاربہ میں حرف ''اَوْ'' گو کہ اختیار کے معنی دینے کے لئے بھی ہو سکتا ہے لیکن یہاں تقسیم و تنویع کے معنی میں ہے، یعنی محاربین کی حرکتیں جیسی ہوں سزا بھی اِن مختلف سزاؤں میں سے اُن کے مناسب ہو، کونسی سزا کونسے حال کے مناسب ہے؟ وحی کے ذریعے بتا دیا گیا، اس لئے اب حاکم کو صرف لاگو کرنے کا حکم ہے، اپنی صوابدید پر کام کرنے کا اختیار نہیں ہے، حاکم کو اختیار تعزیری قسم کی سزاؤں میں ہوتا ہے، حدود میں اختیار نہیں ہوتا، اور رجم حد ہے تعزیر نہیں ہے جیسا کہ تفصیل سے سب بیان ہو گیا۔

''اَنْ یُّقَتَّلُوْا'' اور رجم:

غامدی صاحب اصلاحی صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

''رجم یعنی سنگسار کرنا بھی ہمارے نزدیک تقتیل کے تحت داخل ہے۔''

(برہان: ۹۱، تدبر قرآن: ۵۰۵/۲)

اوپر علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے حوالے سے ''اَنْ یُّقَتَّلُوْا'' کے تفعیل سے آنے کا جو مقصد بیان ہوا، وہی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں مثلاً علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی مصری حنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں:

الاتیان بالتفعیل لما فیه من الزیادة علی القصاص من انه لایسقط بعفو الولی وکذا التصلیب لما فیه من القتل. (حاشیة الشهاب علی تفسیر البیضاوی: ۲۳۷/۳)

اِس کو باب تفعیل سے اس لئے لایا گیا کہ اِس میں قصاص سے بھی زائد بات ہے وہ یہ کہ (قصاص کے برعکس) یہ (مقتول کے) ولی کے معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا، ایسے ہی یُصَلَّبُوْا بھی باب تفعیل سے اس لئے لایا گیا کہ اِس میں سولی کے ساتھ قتل بھی ہو گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (م ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

والتشدید فی قوله تعالی ان یقتّلوا او یصلّبوا او تُقطّع یفید ان یجری الحد بمباشرة بعضهم علی کلهم واحداً بعد واحد فان التفعیل للتکثیر وایضا یفید المبالغة فلا یجوز عفوه. (مظهری: ۸۸/۳)

اللہ تعالی کے اِس فرمان میں تشدید اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ اگر ڈاکوؤں میں سے صرف بعض ڈاکہ کے مرتکب ہوئے ہوں تو بھی سب پر حد جاری کی جائے اور علیحدہ علیحدہ یکے بعد دیگرے اُن پر جاری ہو، کیوں کہ تفعیل تکثیر کے لئے ہے (اس طرح اُن کے بکثرت قتل ہوں گے) ایسے ہی تشدید مبالغہ کا فائدہ بھی دیتی ہے اس لئے اُن کا قتل معاف کرنا جائز نہیں۔

نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں: **التفعیل للتکثیر وهو هنا باعتبار المتعلق ای ویقتلوا واحدا بعد واحد. (فتح البیان: ۴۰۹/۳)** یہاں تفعیل تکثیر کے معنی کیلئے ہے یعنی متعلق کے اعتبار سے تکثیرِ قتل ہو یعنی ڈاکو یکے بعد دیگرے قتل کیے جائیں۔

یہ سب تصریحات بتاتی ہیں کہ تقتیل کے مفہوم میں کسی نے بھی رجم کو داخل نہیں کیا نہ آیت میں زانیوں کی سزا کا ذکر ہے۔

اَب ذرا اِن لوگوں کی دلیل وشبہات پر کچھ عرض کیا جاتا ہے:

غامدی صاحب بطور خلاصہ لکھتے ہیں:

''امام حمید الدین فراہی کی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ، اُس کی اصل سزا تو سورہ نور میں قرآن کے صریح حکم کی بناء پر سو کوڑے ہی ہے، لیکن مجرم اگر زنا بالجبر کا ارتکاب کرے، یا بدکاری کو پیشہ بنالے، یا کھلا کھلا اوباشی پر اتر آئے، یا اپنی آوارہ منشی بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی بناء پر شریفوں کی عزت وناموس کے لئے خطرہ بن جائے، یا مردہ عورتوں کی نعشیں قبروں سے نکال کر اُن سے بدکاری کا مرتکب ہو، یا اپنی دولت واقتدار کے نشے میں غرباء کی بہو بیٹیوں کو سر بازار برہنہ کرے، یا کم سن بچیاں بھی اُس کی درندگی سے محفوظ نہ رہیں، تو مائدہ کی اِس آیت محاربہ (**اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الایة**) کی رو سے اُسے رجم کی سزا بھی دی جاسکتی ہے، اِسی طرح مجرم کے حالات اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے جو دوسری سزائیں اس آیت میں بیان ہوئی ہیں وہ بھی اگر عدالت مناسب سمجھے تو اس طرح کے مجرموں کو دے سکتی ہے، اِنہی سزاؤں میں سے ایک سزا جلاوطنی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اُن مجرموں کو جو محض زنا ہی کے مجرم نہیں تھے بلکہ اُس کے ساتھ اپنی اوباشی کی بنا پر فساد فی الارض کے مجرم بھی تھے، یہ دونوں سزائیں دی ہیں، چنانچہ اُن میں سے وہ مجرم جو اپنے حالات اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے رعایت کے مستحق

تھے اُنہیں آپ نے زنا کے جرم میں آیہ نور کے تحت سو کوڑے مارنے کے بعد معاشرے کو اُن کے شر و فساد سے بچانے کے لئے اُن کی اوباشی کی پاداش میں مائدہ کی اِسی آیت محاربہ کے تحت جلاوطنی کی سزا بھی دی، اور اُن میں سے وہ مجرم جنہیں کوئی رعایت دینا ممکن نہ تھا اِسی آیت کے حکم "اَنْ يُّقَتَّلُوْا" کے تحت رجم کردیئے گئے۔"

(برہان: ۹۱)

فراہی صاحب اور غامدی و اصلاحی کے اِس نظریہ و دعوی پر چند سوالات پڑتے ہیں جن کا جواب دیئے بغیر یہ سب دعاوی بیکار ہیں۔

اول: اگر جناب لوگوں کا یہ اُصول درست ہے تو ایک اور صرف ایک ایسا حوالہ پیش کردیں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں غیر شادی شدہ شخص نے زنا کی وہ صورت اختیار کی جو آپ کہتے ہیں اور غیر شادی شدہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اُس کو رجم کیا ہو؟ ہاں اُس میں غیر شادی شدہ ہونے کی صراحت بھی لازماً ہو، دیدہ باید؟؟

اگر ایسا واقعہ ہو تو آپ کا اصول ثابت ہو جائے گا کہ رجم کے لئے محصن ثیب ہونا کوئی شرط نہیں ہے، اور تب سے اب تک صحابہ سے لے کر فراہی سے پہلے تک کے سب فقہاء علماء کی غلطی روز روشن کی طرح آشکارہ ہو جائے گی، ورنہ چودہ صدیوں کے فقہاء کی غلطی نکالنا محض ضد ہٹ دھرمی اور فراہی کی اندھی تقلید کے سوا کچھ نہیں ہے،

ثانی: غامدی صاحب! آپ کہتے ہیں:

"اُن میں سے وہ مجرم جو اپنے حالات اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے رعایت کے مستحق تھے اُنہیں آپ نے زنا کے جرم میں آیہ نور کے تحت سو کوڑے مارنے کے بعد معاشرے کو اُن کے شر و فساد سے بچانے کے لئے اُن کی اوباشی کی پاداش میں مائدہ کی اِسی آیت محاربہ کے تحت جلاوطنی کی سزا بھی دی"

کسی ایک واقعہ میں آپ کا یہ ثبوت دینا ضروری ہے کہ آپ ﷺ نے اِسی آیتِ محاربہ ہی کے تحت سو کوڑوں کی سزا کے ساتھ جلاوطن کیا ہو، یعنی ایسی تصریح ہو کہ آپ ﷺ کا جلاوطن کرنا اِسی آیت ہی کے سبب ہو؟

اور آپ لکھ رہے ہیں کہ:

"اور اُن میں سے وہ مجرم جنہیں کوئی رعایت دینا ممکن نہ تھا اِسی آیت کے حکم "اَنْ يُّقَتَّلُوْا" کے تحت رجم کردیئے گئے۔"

ایسا واقعہ نقل کیجیے جس میں صاف تصریح ہو کہ اِسی آیت کے حکم کے تحت ہی ایسوں کو رجم کیا گیا؟

چلو اسلاف میں سے کسی کی تصریح اور وہ بھی صرف ایک اپنے دعوے میں پیش کیجیے؟

ثالث: سورہ مائدہ جس میں آیتِ محاربہ ہے وہ قرآن مجید میں سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے، صلح حدیبیہ یا فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، اور رجم کے یہ واقعات اُس سے پہلے کے ہیں، تو آیتِ محاربہ کے تحت رجم کرنے کا کیا معنیٰ جب کہ وہ نازل ہی بعد میں ہوئی؟

آگے چلنے سے پہلے یہاں غامدی صاحب کا سورہ نساء اور حدیث عبادہ سے متعلق مغالطہ کا ذکر ضروری لگتا ہے۔

حدیث عبادہ، اور سورہ نساء کی آیت کے بارے غامدی صاحب کا ایک مغالطہ:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’میرے نزدیک اس روایت (عبادہ) کے الفاظ ہی سے واضح ہے کہ اس میں جو سزائیں بیان کی گئی ہیں، وہ اُن بدکاروں کے لئے ہیں جن کا ذکر سورہ نساء کی آیت ۱۵، ۱۶ ر میں ہوا ہے، آیت کے الفاظ دلیل ہیں کہ اس کا حکم دو قسم کے مجرموں کے بارے میں ہے، ایک وہ عورتیں جن کے لئے زنا شب و روز کا شغل تھا، دوسرے وہ مرد و عورت جن کا ناجائز تعلق یاری آشنائی کی صورت میں استواری و پائیداری کے مختلف مراحل سے گذر کر روزمرہ کا معمول بن چکا تھا، قرآن مجید نے اس کے لئے **والتی یاتین الفاحشۃ** (وہ عورتیں جو بدکاری کرتی ہیں) اور **والذان یاتینھا** (وہ مرد و عورت جو بدکاری کرتے ہیں) کے الفاظ استعمال کیے ہیں،......ان الفاظ سے صاف واضح ہے کہ یہ وہ مجرم نہیں ہیں جو کسی وقت جذبات کے غلبہ میں زنا کا اِرتکاب کر بیٹھتے ہیں، اور جن کی سزا سورہ نور کی آیت **الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدمنھمامائۃ جلدۃ** میں بیان کی گئی ہے،...... چنانچہ عبادہ بن صامت کی زیر بحث روایت کا مدعا در حقیقت یہی ہے کہ بعد میں نبی ﷺ کو وحی خفی کے ذریعے سے ہدایت کی گئی کہ یہ چونکہ محض زنا ہی کے مجرم نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ اپنی آوارہ منشی، بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی وجہ سے فساد فی الارض کے مجرم بھی ہیں، اس لئے اُن میں سے ایسے مجرموں کو جو اپنے حالات کی نوعیت کے لحاظ سے رعایت کے مستحق ہیں زنا کے جرم میں نور کی آیت ۲ کے تحت سو کوڑے اور معاشرے کو اُن کے شر و فساد سے بچانے کے لیے اُن کی اوباشی کی پاداش میں مائدہ کی آیت ۳۳ ر کے تحت نفی یعنی جلاوطنی کی سزا دی جائے، اور اُن میں وہ مجرم جنھیں کوئی رعایت دینا ممکن نہیں ہے، مائدہ کی اِسی آیت کے حکم اَنْ یُّقَتَّلُوْا کے تحت رجم کر دیئے جائیں۔‘‘ (برہان: ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷)

جواب:

اِس عبارت میں غامدی صاحب کی کئی باتیں محلِ نظر ہیں:

اول: والّٰتی یاتین الفاحشۃ . والذان یاتیٰنھامنکم کے الفاظ مضارع کے ہیں، اور غامدی صاحب نے اس سے یہ سمجھا ہوا ہے کہ مضارع کے الفاظ فاعل کی عادت کو بیان کرتے ہیں، اس لئے غامدی صاحب نے آیت کے حکم کو عادی مجرموں کے ساتھ خاص کیا ہے، اور چوں کہ حدیثِ عبادہ اِس آیت کے بیان میں آئی ہے اس لئے مجرموں کو عادی اور غیر عادی میں تقسیم کر کے حدیثِ عبادہ میں رجم کو عادی مجرموں پر چسپاں کیا ہے، حالاں کہ ایسا درست نہیں۔

اس لئے کہ یاتین الفاحشۃ اور یاتیٰنھامنکم صلہ جملہ فعلیہ ہیں، اور جملہ فعلیہ میں دوام واستمرار ضروری نہیں ہوتا، مثلاً:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَاقَالُوْافَتَحْرِيْرُرَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا: اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر اُسی بات کی طرف پلٹیں جو اُنھوں نے کہی تھی، تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کیا جائے گا۔ (ترجمہ غامدی، میزان: ۴۳۵)

اِس آیت میں بھی اسم موصول ہے، اور پھر اُس کا صلہ مضارع سے شروع جملہ فعلیہ ہے، ظاہر ہے کہ اِس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اِن مردوں کی ظہار کرنے کی مسلسل عادت ہو اور بار بار ظہار کریں، تب اُن پر ظہار کا کفارہ ہے، اگر صرف ایک بار ظہار کر لیں تو کفارہ نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلی بار اور صرف ایک بار بھی ظہار کیا ہو تب بھی ظہار کا کفارہ لازم ہے۔

تو التی یاتین الفاحشۃ ، الذان یاتیٰنھا میں اسم موصول اور پھر صلہ مضارع سے شروع جملہ فعلیہ ہے، تو اس میں عادی ہونے کا معنی کِس قرینے کی بناء پر ہے؟

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ،فَاِنْ فَاءُوْفَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ،وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ، اُن لوگوں کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے جو اپنی بیویوں سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھیں، پھر وہ رجوع کریں، تو اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے، اور اگر طلاق کا فیصلہ کر لیں تو (اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ) اللہ سمیع وعلیم ہے (ترجمہ غامدی، میزان صفحہ ۴۳۳)

اِس آیت میں بھی اسم موصول اور اُس کا صلہ فعل مضارع سے شروع ہونے والا جملہ فعلیہ ہے، ظاہر ہے کہ اِس آیت میں وہ ایلاء کرنے والے مراد نہیں جو مسلسل ایلاء کرتے رہتے ہوں، اور ایلاء کی عادت بن گئی ہو، بلکہ آدمی ایک بار بھی ایلاء کر لے تو آیت میں بیان ہونے والے احکام اُس پر لاگو ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ الاٰیۃ اور جو مرد اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں، اور اُن کے گواہ نہ ہوں، تو ایک شوہر کی چار دفعہ کی گواہی دینے کا حکم ہے.......

اِس آیت میں لعان کا حکم ہے، ظاہر ہے کہ لعان کا حکم شوہر اور بیوی کی طرف اُسی وقت ہی متوجہ ہوجاتا ہے، جب شوہر بیوی پر ایک بار بھی تہمت لگادے، یہ تو نہیں کہ بیوی پر تہمت لگانے کی شوہر کی عادت بن گئی ہو، تب لعان کریں، جب کہ اس میں بھی اسم موصول اور پھر اُس کا صلہ مضارع سے شروع ہونے والا جملہ فعلیہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں، تو ان کو اَسّی کوڑے مارو۔

(ترجمہ غامدی، میزان: ۶۲۴)

اِس آیت میں بھی یہ مراد نہیں کہ جس شخص کی مسلسل عادت ہو پاک دامن عورتوں (یا مردوں) پر تہمت لگانے کی اُس کو حد قذف کے اَسّی کوڑے لگائے جائیں گے، بلکہ وہ شخص بھی اس سزا کا مستحق ہے جو صرف ایک بار تہمت لگادے حالاں کہ اسلوب مضارع کے صیغہ کا ہے۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ : اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو (سمجھ لو کہ) اُنہوں نے اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھایا۔ (ترجمہ غامدی، میزان: ۴۳۷)

یہاں بھی اسم موصول ہے، اور اُس کا صلہ مضارع سے شروع جملہ فعلیہ ہے، ظاہر ہے کہ اِس سے مراد وہ بھی ہیں جو ایک بار حدود سے تجاوز کریں، اور وہ بھی ہیں جن کی عادت حدود سے تجاوز کی ہو۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ : اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں، تو وہ اپنی اُن بیویوں کے لئے سال بھر کے نان ونفقہ کی وصیت کر جائیں، اور یہ بھی کہ اُنہیں گھر سے نہ نکالا جائے۔

(ترجمہ غامدی، میزان: ۴۶۰)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑیں، تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن انتظار کرائیں۔ (ترجمہ غامدی، میزان: ۴۵۸)

اِن دونوں آیتوں میں بھی اسم موصول ہے، اور اُس کا صلہ **یتوفون** مضارع سے شروع جملہ فعلیہ ہے، جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جن کو بار بار موت آتی ہو اور بار بار بیویاں پیچھے چھوڑتے ہوں، اُن کے متعلق آیت میں موجود حکم ہے، بلکہ ظاہر ہے کہ موت ہر کسی کو ایک بار آتی ہے، اور موت کے سبب بیویاں چھوڑنا بھی ایک بار ہوتا ہے، حالاں کہ اسم موصول ہے، اور صلہ مضارع سے شروع جملہ فعلیہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ

خَیۡرًا۔ اورتمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت چاہیں، اُن سے مکاتبت کرلو، اگر اُن میں بھلائی دیکھتے ہو۔(ترجمہ غامدی، میزان: ۴۷۷) یہاں بھی اسم موصول ہے، اور اُس کا صلہ مضارع سے شروع جملہ فعلیہ ہے، ظاہر ہے کہ اِس میں اُن غلاموں کا حکم ذکر نہیں ہے جن کی مکاتبت چاہنے کی بار بار عادت ہو، بلکہ جو غلام بھی مکاتبت چاہے، اُس کے متعلق اللہ تعالی نے یہ حکم دیا ہے۔

اگر غامدی صاحب کو اِس بات پر اصرار ہے کہ اسم موصول اور اُس کے بعد آنے والے مضارع سے شروع جملہ فعلیہ میں فعل کی عادت اور تسلسل کا معنی بھی ہوتا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ایسے جملہ میں تسلسل اور عادت کا معنی بھی ہے، لیکن تسلسل اور عادت کا معنی ہی نہیں ہے، ایک بار والا معنی بھی ہے، آپ بھی ''ہی'' اور ''بھی'' میں فرق کیجیے، محض استاذ کی تقلید میں نبی کریم ﷺ کے مبارک دور والے صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم میں سے رجم کئے جانے والوں کو خوامخواہ فعلِ بد کا عادی بنا کر ہی چھوڑنا کونسا انصاف ہے؟ جس کے نتیجہ میں جناب ثلاثہ پوری امت سے کٹ کر اپنا مستقل فرقہ اور فقہ بنانے چلے ہیں۔

ثانی: آپ لکھتے ہیں:

''عبادہ بن صامت کی زیر بحث روایت کا مدعا درحقیقت یہی ہے کہ بعد میں نبی ﷺ کو وحی خفی کے ذریعے سے ہدایت کی گئی کہ یہ چونکہ محض زنا ہی کے مجرم نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ اپنی آوارہ منشی، بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی وجہ سے فساد فی الارض کے مجرم بھی ہیں'' الخ

بتائیں وحی خفی کونسی تھی، اور کِس آیت یا حدیث میں ہے؟ ذرا الفاظ نقل کریں، یقین کیجیے اگر مجرموں کی اس تقسیم اور اُن کی سزا کے اس فرق کی وحی خفی آپ نے پیش کی چاہے خبر واحد ہی ہو، تو آپ کا دعوی ثابت اور سب ائمہ کی بات غلط ہو جائی گی، اور ہم صحیح کا ساتھ دیں گے، غلط کو ضرور چھوڑ دیں گے، دیدہ باید؟

پھر یہاں آپ وحی خفی کے قائل ہوگئے ہیں، اور جب اہل حق کہتے ہیں کہ حدیث وحی خفی ہے تو آپ اخبار واحدہ کی صورت میں ہم تک پہنچنے والے ارشادات کو وحی نہیں مانتے؟ یعنی جب مطلب ہوا تو وحی مان لیا، اور مطلب نہ ہوا تو وحی ہونے سے انکار کر دیا، اِس دورُخے رویے کا کیا مطلب ہے؟

فراہی صاحب کی غلطیاں:

بندہ نے انٹرنیٹ سے جناب عبدالحمید فراہی صاحب کی بعض کتابیں حاصل کرلیں، جن میں سے احکام الاصول بھی ہے، اِس بحث سے متعلق علامہ فراہی نے رجم کو آیتِ محاربہ کے تحت داخل کرنے کے لئے جو کچھ درج کیا ہے اس میں اُن سے بعض سخت غلطیاں ہوئی ہیں۔ مثلاً:

سورہ نساء کی آیت ''**اویجعل اللہ لھن سبیلاً**'' کے نسخ کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: **خذوا عنّی قدجعل اللہ لھن سبیلاً، البکر بالبکر جَلدُمائۃ و نفی سنۃ والثیب بالثیب جَلدمائۃ ثم الرجم.** آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے یہ حکم لے لو، اللہ تعالیٰ نے وہ سبیل عورتوں کے لئے بنالیا ہے، دو کنوارے مرد وعورت زنا کریں تو سو کوڑے اور سال کی جلاوطنی ہے، اور دو شادی شدہ مرد وعورت ایسا کریں تو سو کوڑے اور رجم ہے۔

اِس حدیث کے الفاظ دو طرح آئے ہیں:

۱۔ الثیب بالثیب جلدمائۃ والرجم [یجلدویرجم ، ورجم بالحجارۃ]

۲۔ الثیب بالثیب جلدمائۃ ثم الرجم [یجلدویرجم]

یعنی واؤ بھی آئی ہے اور ثم بھی (**والرجم ،ثم الرجم**) فراہی صاحب نے لفظ واؤ کو بھی بمعنی **ثم** لے لیا اور لفظ **ثم** سے یہ مراد لیا کہ زانی محصن کو بھی اوّلاً کوڑوں کی سزا ہے، لیکن اگر کوڑوں کی سزا کے بعد پھر مرتکب ہو تو اب اُس کو رجم کی سزا دی جاسکتی ہے۔

وفی قول الرسول ﷺ دلالۃ واضحۃ علی ان البکر بالبکر یلزمہ مائۃ جلدۃ وتغریب وفی روایۃ ثم تغریب عام و کذالک جاء ثم الرجم فی امر الثیب بالثیب فعلم ان اول الحد ھو مائۃ جلدۃ لکلیھما، ثم اذاوقعافی الاثم بعد الحدفالاولی بھما ان یعذبابعذاب اشدفانھما تجاسرا علی حدود اللہ........ وبالجملۃ قضی النبی ﷺ فی الثیب باشدالنکال وفی البکر باخفہ حسب آیۃ سورۃ المائدۃ اذاارتکبا مرۃ اخریٰ، ولذالک قال ثم والواو ربما تأتی بمعنی ثم (احکام الاصول مع رسائل: ۱۲۳)

فراہی صاحب وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لفظ '' **ثُمَّ** '' کا سہارا لے کر حدیث کا ایسا غلط مفہوم بنا دیا ہے جو خلفاء راشدین سے لے کر فراہی سے پہلے تک کسی ایک نے بھی نہیں لیا، نہ اِس پر عمل کیا، خود نبی کریم ﷺ نے بھی اِس پر عمل نہیں کیا، یعنی جس صحابی یا صحابیہ کو رجم کیا دنیا کی کسی کتاب سے ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ اُسے پہلے اُن کو سو کوڑوں کی سزا دی گئی تھی، اور پھر دوبارہ ارتکاب کرنے پر اُن کو رجم کیا گیا؟ نہ ہی خلفاء راشدین سے ایسا ثابت کیا جاسکتا ہے؟ فراہی صاحب نے خوامخواہ نبی کریم ﷺ کے ذمہ یہ لگایا کہ حضور ﷺ نے رجم کا اور سال کی جلاوطنی کا حکم اُس وقت کے لئے دیا جب یہ مجرم دوسری بار ایسی حرکت کریں، ایسے ہی کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں کہ عملاً نبی کریم ﷺ نے مجرم غیر شادی شدہ کو دوسری بار غلطی کرنے پر جلاوطن کیا ہو، لائیے ایسا ثبوت؟ شاگردوں کو اور شاگردوں کے شاگردوں کو اور شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں کو چیلنج ہے؟ ؟ ؟ ؟ ؟ ؟

۲)۔جن احادیث میں لفظ واؤ آیا ہے وہ زیادہ ہیں اُن سے جن میں **ثـم** آیا ہے، تو واؤ بمعنی **ثـم** لے کر ایسی تحریف کے بجائے **ثـم** بمعنی واؤ لیا جائے گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے دور کے اور خلفاء راشدین کے دور کے واقعاتِ رجم اِس کا عملی ثبوت ہیں، کہ محض شادی شدہ ہونے کے سبب زانیوں پر رجم کی سزا لاگو کی گئی ہے۔

مزید علامہ فراہی صاحب لکھتے ہیں:

وامارجم اليهودية فقدقضى عليهابالتوراة وقدكان يقضى بهاقبل حكم الله فى القرآن ،وفى صحيح مسلم انه لم يعلموا هل كان الرجم قبل آية الجلدة اوبعدها (احكام الاصول مع رسائل ۱۲۳)وقدقال عبدالله بن ابى اوفى لا ادرى هل نزلت سورة النورقبلهٔ اوبعدهٔ. (الرائع فى اصول الشرائع: ۶۳)

باقی رسول اللہ ﷺ نے یہودیہ عورت کو جو رجم کیا تو وہ آپ نے اُس پر تورات کے مطابق فیصلہ نافذ کیا ہے، اور قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالی کے حکم آنے سے پہلے آپ ﷺ تورات کے حکم کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے تھے، اور صحیح مسلم میں ہے کہ صحابہ (حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ) کو معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ کا رجم کرنا کوڑوں کی سزا والی آیت سے پہلے تھا یا بعد میں؟

توجہ فرمائیں کہ اِس عبارت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضور ﷺ کا رجم کرنا محض تورات کے حکم کی بناء پر تھا، اور سورہ نور کی آیات اترنے سے پہلے تک آپ ﷺ تورات کے مطابق فیصلہ دیتے تھے، اور جب یہ معلوم نہیں کہ رجم کے فیصلے سورہ نور کی آیات سے پہلے کے تھے یا بعد کے تو ہم یہ سمجھ لیں گے کہ رجم کا عمل پہلے تھا بعد میں صرف کوڑوں کا حکم آیا لہٰذا اَب رجم کا حکم بطور حد نہیں ہے؟

صرف حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ رجم کے یہ واقعات سورہ نور کی آیات کے نزول سے پہلے کے ہیں یا بعد کے؟ اور اِس سے صرف اُنہی کی لاعلمی ثابت ہوئی اور کسی ایک صحابی کی لاعلمی اِس کی دلیل تو نہیں ہے کہ سب ہی اُس سے لاعلم ہیں، اور اُن کی لاعلمی اِس کی دلیل تو نہیں کہ واقعاتِ رجم آیتِ نور سے پہلے کے ہیں، ذرا خوب سوچیے کہ جب اُن کو معلوم نہیں تو اُن کی لاعلمی سے آپ کو رجم کا سورۂ نور کی آیت سے پہلے ہونا کیسے معلوم ہو گیا؟

رجم کے واقعات سورہ نور کی آیات کے بعد:

حقیقت یہ ہے کہ رجم کے واقعات سب یا اکثر سورہ نور کی آیت کے بعد کے ہیں، سورہ نور اور اُس کی خصوصاً ابتدائی کئی آیات غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہیں، اور غزوہ بنی المصطلق کے متعلق تین قول ہیں: [۱] سنہ ۳ھ، [۲] سنہ ۵ھ [۳] سنہ ۶ ہجری۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور بدرالدین عینی رحمہ

اللہ نے اور حضرت موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ امام المغازی نے سنہ ۶ ھ کو ترجیح دی ہے، واقدی کا بھی یہی قول ہے، تو سورۂ نور سنہ ۵ ھ، یا سنہ ۶ ھ کو اتری ہے، اب رجم کے واقعات کو لیں!

(۱) سب سے پہلا یہودیوں کے رجم کا واقعہ ہے، کیوں کہ اُس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو تیرے مردہ حکم کو دوبارہ زندہ کر رہا ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اُسی قصہ سے متعلق فرماتے ہیں کہ اُن کو رجم کرنے سے اللہ تعالیٰ نے رسولُ اللہ ﷺ کے لیے حکمِ رجم کو پھر سے ثابت کر دیا۔ (مسند احمد ۱/۲۶۱)

اِس واقعہ کے وقت اُن کو پتھر مارنے والوں میں حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۶/۲۷۱) اور حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء فتح مکہ کے بعد اپنے والد سمیت مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں، اور اُس قصہ کا مشاہدہ کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں (تفسیر ابن جریر: ۶/۳۵) اور وہ سنہ ۷ ھ میں مسلمان ہوئے ہیں، تو رجم کا یہ قصہ سنہ ۷ ھ کے بعد کا ہوا۔

یاد رہے کہ سورہ مائدہ جس میں آیتِ محاربہ ہے وہ قرآن مجید میں سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے، صلح حدیبیہ یا فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، اور رجم کا یہ واقعہ اُس سے پہلے کا ہے، تو آیتِ محاربہ کے تحت رجم کرنے کا کیا معنیٰ جب کہ وہ نازل ہی بعد میں ہوئی؟

(۲) حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے رجم کے واقعہ کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں تھے۔ (مستدرک: ۴/۳۶۱) اور وہ تو اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ سنہ ۹ ھ کو آئے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ماعز کے رجم کا قصہ سنہ ۹ ھ کے بعد کا ہے، اور یہود کا رجم اُس سے پہلے ہو چکا تھا تو وہ سنہ ۷ ھ اور سنہ ۹ ھ کے درمیان ہوا۔

(۳) غامدیہ عورت کے رجم کے قصہ میں ہے کہ پتھر مارنے والوں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شامل تھے، اور وہ یکم صفر سنہ ۸ ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (طبقات ابن سعد ۴/۲۵۲) اسی لئے کئی محدثین نے فرمایا کہ غامدیہ کے رجم کا واقعہ سنہ ۹ ھ میں ہوا۔

(السیرۃ الحلبیۃ: ۳/۵۰۲، اوجز المسالک: ۶/۱۳، بھجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل: ۲/۵۳)

(۴) واقعہ عسیف بھی سورہ نور کی آیتِ جَلد کے بعد ہوا ہے، کیوں کہ لڑکے کے باپ نے اپنی بات میں یہ بھی کہا کہ مجھے اہل علم (صحابہ) نے بتایا کہ میرے لڑکے کی سزا سو کوڑے اور سال جلاوطنی ہے، معلوم ہوا کہ سورہ نور کی آیت میں مذکور سو کوڑوں کی سزا کا حکم اُس سے پہلے صحابہ کو معلوم تھا اور سورہ نور کی یہ

آیات پہلے نازل ہو چکی تھیں۔

نیز اُس واقعہ کے وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حاضر تھے اور پہلے ذکر ہو گیا کہ وہ سنہ ۷ میں مسلمان ہوئے ہیں تو یہ واقعہ بھی سنہ ۷ھ کے بعد کا ہوا۔

پھر حضور ﷺ کی قولی احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رجم کی سزا کا ذکر سورہ نور کی آیت کے نزول کے بعد کیا ہے مثلاً حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے اور سال جلاوطنی بیان فرمائی، اور سو کوڑوں کی سزا تو سورہ نور میں آ چکی تھی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے قول سے بھی ظاہر فرمایا کہ رجم کی سزا سورہ نور کی آیت سے منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ (تکملہ فتح الملہم: ۲/۴۲۵ تا ۴۲۹)

اَب کہیے کہ بس نبی کریم ﷺ بھی قرآن مجید کے خلاف عمل کرتے رہے؟ اور نبی کو حق نہیں تھا کہ وہ قرآن کے مخالف چلتے، اور چوں کہ مخالف چلے ہیں لہٰذا نبی نہیں ہیں۔

فراہی و غامدی کا سورہ نور کی ایک آیت سے مغالطہ:

علامہ فراہی صاحب حاشیہ قرآن میں لکھتے ہیں:

[ویدرء عنها العذاب] العذاب لایرادبه الامن سبق ذکره وهو مائة جلدة فالقول بالرجم لایصح. (حاشیه قلمی: ۱۳۴) یعنی **"یدرء عنها العذاب"** میں **"العذاب"** معرفہ بہ الف لام ہے تو اِسے صرف وہی ہی مراد ہو سکتا ہے جس کا پہلے ذکر ہوا، اور پہلے سو کوڑے کی سزا ذکر ہوئی ہے، لہٰذا رجم کی بات صحیح نہیں ہے۔

غامدی صاحب اِسی کی ترجمانی میں کہتے ہیں:

"یہ آیات اُس شادی شدہ عورت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس پر اُس کے شوہر نے زنا کی تہمت لگائی ہو، سزا کے لئے ان میں **العذاب** کا لفظ استعمال ہوا ہے، اِن سے اوپر آیہ جلد میں یہی لفظ ضربِ تازیانہ کی اُس سزا کے لئے بھی آیا ہے جو زنا کے مجرموں کے لئے اس سورت کی ابتدا میں بیان کی گئی ہے۔ ......آیت ۸ میں **العذاب** کا الف لام ظاہر ہے کہ عہد کے لیے ہے، اور اس کا معہود عربیت کی رو سے لامحالہ وہی سزا ہو گی جس کے لئے اس آیت میں **عذابهما** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔" (برہان: ۹۳،۹)

جواب:

یہ تو درست ہے کہ آیت ۸ میں الف لام عہد کا ہے، اور یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اِسے پہلے ابتدائی آیات میں زانی وزانیہ کی حد کوڑے ذکر ہوئی، لیکن **"عذابهما"** میں جس سزا کا ذکر ہے، وہ مطلق

سزا ہے، ظاہر ہے کہ مخصوص زانیوں کی سزا رجم جناب بھی مان رہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ”**ولیشھد عذابھما طائفة من المؤمنین**“ کا حکم رجم کی اُس سزا کو بھی شامل ہوگا، یعنی آپ کے خیال کے مطابق مخصوص زانیوں کی سزا کے وقت میں بھی مؤمنین کی ایک جماعت کے حاضر رہنے کا حکم ہے، اور واقعی ہے، فرضی نہیں ہے، تو ”**عذابھما**“ میں مطلق حدزنا مراد ہوئی جس میں سو کوڑے بھی اور رجم بھی دونوں داخل ہیں، اور جب ”**عذابھما**“ میں مطلق حدزنا مراد ہوگی جس میں جَلد ورجم دونوں داخل ہیں تو **یدرء عنھا العذاب** میں صرف کوڑوں کی سزا کیوں مراد ہے؟

لیجیے! اِس مراد کے لئے حدیث پیش خدمت ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت ہے کہ ایک صحابی اور اُس کی بیوی کے درمیان لعان کا واقعہ ہوا اُس کی بیوی حمل سے تھی، شوہر نے ابن السحباء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی، دونوں میں جب لعان ہوا، لعان کرنے کے سبب وہ شوہر صحابی حد قذف کی سزا سے بچ گئے، ورنہ اُس کو حد قذف لگائی جاتی، اور اُن کی بیوی بھی الفاظ لعان بولنے کے سبب حد زنا سے بچ گئی، آخر اُس کا جو بچہ پیدا ہوا اُس کی شکل شریک بن السحباء سے ملتی تھی، اُس شوہر سے نہیں ملتی تھی، یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا:

لولامضی من کتاب اللہ لکان لی ولھاشان (بخاری:۴۷۴۷) اگر کتابُ اللہ کا حکم پورا نہ ہوگیا ہوتا تو میری اور اِس عورت کی ایک شان ہوتی۔

یعنی میں اِس کو زانیہ ثابت ہو جانے کے سبب سزا دیتا، وہ سزا کیا ہوتی؟

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

لکان لی ولھاشان یشیر الی الرجم. (کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۲/۴۳۲) اِن الفاظ سے رسول اللہ ﷺ رجم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

امام یحییٰ بن ہبیرہ ذہلی شیبانی رحمہ اللہ (م ۵۶۰ھ) (**الافصاح عن معانی الصحاح:** ۱۹۸/۳) اور امام محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ (م ۷۸۶ھ) (**الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری:** ۱۸/۷) اور قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبیلی (م ۵۴۳ھ) (**القبس فی شرح مؤطا:** ۹۱۸/۱) اور علامہ شہاب الدین احمد بن حسین ابن ارسلان رملی (م ۸۴۴ھ) (شرح ابی داؤد: ۸۶/۱۰) وغیرہم رحمہم اللہ بھی یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔

اب جب لعان کی ہوئی عورت کے جھوٹا ثابت ہونے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم لعان کا اور اُس کے بعد میاں بیوی کو اپنے حال پر چھوڑ دینے کا نہ ہوتا تو میں اِس جھوٹی عورت کو رجم کرتا تو اِس

حدیث کے مضمون سے صاف ثابت ہوا کہ **"ویدرء عنھا العذاب"** میں عذاب سے رجم مراد ہے،اب حدیث سے عذاب کی تفسیر رجم ثابت ہوئی ،اور دوسری تفسیر آپ ثلاثہ کی ہے،تو نبی کے سچے عاشق ومحبّ کا کام تو حضور ﷺ کی حدیث سے ثابت تفسیر کو ماننا ہے۔

سورہ نساء کی آیت سے مغالطہ:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''اب سورہ نساء کی آیت ۲۵ رکودیکھیے ،ارشاد ہوتا ہے: **وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ،..... . فَإِذَااُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَاعَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ.** (۴: ۲۵) اور جو تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مؤمنہ عورتوں سے نکاح کر سکے،تو وہ اُن مؤمنہ لونڈیوں سے نکاح کر لے جو تمہارے قبضے میں ہوں .... پھر جب وہ پاک دامن رکھی جائیں اور اُس کے بعد اگر بدچلنی کی مرتکب ہوں تو آزاد عورتوں کی جو سزا ہے اُس کی نصف سزا اُن پر ہے۔

اس آیت میں پوری صراحت کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ لونڈیاں اگر بدکاری کریں تو اُنہیں اُس سزا کی نصف سزا دی جائے گی جو آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے،آزاد عورتوں کے لئے اس آیت میں **"المحصنات"** کا لفظ جس طرح استعمال ہوا ہے اس میں یہ بات کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اِسے غیر شادی شدہ عورتوں کے ساتھ خاص قرار دیا جائے ،اور نصف کا تصور ظاہر ہے کہ کوڑے کی سزا ہی کے متعلق قائم کیا جا سکتا ہے،رجم کی سزا کا کوئی نصف یا تہائی تو کسی طرح نہیں ہوسکتا،چنانچہ یہ آیت بھی اس معاملے میں صریح ہے کہ زانی شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اُس کے جرم کی انتہائی سزا قرآن مجید کی رو سے سو کوڑے ہی ہے۔'' (برہان:۹۳،۹۴)

جواب:

لمبی چوڑی تقریر کو چھوڑ کر اتنا عرض ہے کہ غامدی صاحب نے آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے **"نصفُ ماعلی المحصنات"** میں مذکور **محصنات** سے آزاد عورتیں مراد لی ہیں،اور واقعی اِسے آزاد عورتیں مراد ہیں،لیکن اگر چہ آزاد عورتوں میں شادی شدہ وغیر شادی شدہ دونوں قسم کی عورتیں داخل ہیں،جیسا کہ آنجناب کہہ رہے ہیں،مگر یہاں **"ماعلی المحصنات"** میں صرف غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں، امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے یہی منقول ہے **(احکام القرآن للجھضمی** م۲۸۲ھ،ص ۶۷) امام ابو جعفر النحاس (م ۳۳۸ھ) یہی فرماتے ہیں۔ (معانی القرآن:۲/۶۶)

اور کُل اہل سنت مفسرین نے یہی لکھا ہے: **الحرائر الابکار (تفسیر الطبری ۸/۲۰۳، البغوی ۱/۵۹۹، غریب القرآن لابن قتیبة ۱/۱۲۴، جلالین ص ۱۰۵، تفسیر النسفی ۱/۳۵۰، تفسیر ابو السعود ۲/۱۶۷، تفسیر قرطبی ۵/۱۴۵، مظهری ق ۲ ج ۲/۸۳، الوسیط للواحدی ۲/۳۷، البسیط للواحدی ۶/۴۵۷، الهدایة الی بلوغ النهایة ۲/۱۲۹۴، البحر المحیط ۳/۵۹۸، روح البیان ۲/۱۹۱، مراح لبید لکشف معنی القرآن المجید ۱/۱۹۳، فتح القدیر للشوکانی ۱/۵۲۰، الخازن ۱/۳۶۴، تفسیر الرازی ۱۰/۵۲، تفسیر الایجی ۱/۳۴۷، احکام القرآن لابن العربی ۱/۵۱۷، تفسیر الآلوسی ۳/۱۲)**

اور اس کا قرینہ لفظ "**نصف**" ہے کہ رجم کا نصف نہیں ہو سکتا، جَلد کا ہی نصف ہو سکتا ہے، اور اِس تخصیص کے لئے یہی قرینہ ہی کافی ہے۔

امام اسماعیل بن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

والالف واللام فی المحصنات للعهد وهن المحصنات المذکورات فی اول الآیة ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المؤمنات ......وقوله نصف ماعلی المحصنات من العذاب یدل علی ان المرادمن العذاب الذی یمکن تنصیفه وهو الجلد لاالرجم .(تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۳۲)

"**المحصنات**" میں الف لام عہد کا ہے، اور اُن سے مراد وہ عورتیں (غیر شادی شدہ) ہیں جن کا ذکر شروع آیت میں (**ان ینکح المحصنات المؤمنات** میں) ہوا ہے (اور اُن سے غیر شادی شدہ مراد ہیں، تو اِس آخری حصہ میں بھی **محصنات** سے غیر شادی شدہ مراد ہیں) اور "**نصف ماعلی المحصنات من العذاب**" دلالت کرتا ہے کہ سزا سے وہ سزا مراد ہے جس کو آدھا کرنا ممکن ہو، اور وہ جَلد ہے نہ کہ رجم۔

غامدی صاحب کے نزدیک امام ابن شہاب زہری تابعی سے ابن کثیر شافعی رحمہم اللہ تک کسی کی کوئی حیثیت نہیں، غامدی کے نزدیک خود وہ جتنا عربی زبان کے قواعد سے آشنا ہیں، یہ لوگ عربی قواعد سے اُتنے ہی ناآشنا ہیں، اس لئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اِس تقریر کے جواب میں کہتے ہیں۔

"تعریف عہد کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جس لفظ پر لام تعریف آتا ہے، وہ ایک اسم نکرہ کی صورت میں پہلے سے کلام میں مذکور ہوتا ہے، مثلاً **فِيْهَا مِصْبَاحٌ ، اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ، الزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ** ، یعنی لفظ **المصباح** پہلے نکرہ استعمال ہوا ہے، دوسری مرتبہ جب اس کا ذکر کرنے کی

ضرورت پیش آئی تو اُسے معرف باللام کردیا، اور یہی معاملہ **زجاجة** کے ساتھ ہوا۔

اب ظاہر ہے کہ **المحصنٰت ان ینکح المحصنٰت** میں بھی معرف باللام استعمال ہوا ہے، اور **نصف ماعلی المحصنٰت** میں بھی، لہٰذا اس صورت کا اطلاق یہاں ممکن نہیں ہے (پھر لام عہد ذہنی کا تفصیلی ذکر کرکے لکھتے ہیں)

تعریف عہد کی ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت اس معنی پر دلالت کے لئے جس کا اثبات ان حضرات کے پیش نظر ہے عربی زبان میں ابھی تک دریافت نہیں ہوسکی، اس وجہ سے ان کی یہ رائے کہ **المحصنٰت** میں الف لام تعریف عہد کے لئے ہے بالکل بے بنیاد ہے (برہان: ۹۸، ۱۰۰)

اِس پر غامدی صاحب کو کہا گیا کہ قرآن مجید میں ہی آپ کے بیان کئے ہوئے اِس اصول کے خلاف یہ آیت ہے: **اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْراً، اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْراً**. اِس میں دو دفعہ " **العُسر** " الف لام تعریف کے ساتھ آیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ الف لام تعریف عہد خارجی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسم معرف باللام اول بار نکرہ نہ آئے، بلکہ الف لام تعریف عہد خارجی کے ساتھ لایا جائے، اور دوبارہ بھی الف لام تعریف عہد خارجی کے ساتھ لایا جائے، تو یہ بھی الف لام تعریف عہد خارجی کی ایک صورت ہے، جو قرآن میں ذکر ہوئی، اور یہی صورت **المحصنٰت** میں ہے، کہ شروع آیت میں **المحصنٰت** میں الف لام عہد خارجی کا ہے، پھر دوبارہ **المحصنٰت** میں بھی عہد خارجی کا ہے۔

اِس پر غامدی صاحب نے جو تقریر کی وہ ایسی ہے کہ ؎ خدا کرے کہ نہ سمجھے کوئی!

ظاہر ہے کہ جب **العُسر** معرف بہ لام تعریف عہد خارجی مکرّر سے مراد ایک ہی قسم کا عسر ہے، یعنی وہ مشکل حالات جن میں یہ حضرات مبتلا تھے، تو یہاں دونوں جگہ "**المحصنٰت**" سے بھی ایک ہی قسم مراد ہوسکتی ہے، چوں کہ اِن آیات میں محل نکاح بن سکنے والی اور نہ بن سکنے والی عورتوں کا ذکر ہے، اور پارہ ۵ کی ابتداء میں [**وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ** میں] ان **محصنٰت** کا ذکر تھا جو محل نکاح نہیں بن سکتیں یعنی دوسروں کے نکاح میں آئی ہوئی منکوحہ عورتیں، اس لئے وہاں تو شادی شدہ عورتوں کے معنی میں ہے، مگر اُس کے بعد محل نکاح بن سکنے والی عورتوں کا ذکر فرمایا "**وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ**" اِن لفظوں میں **ذالکم** اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ وہ سب عورتیں ہیں جن کا سابق میں ذکر ہوا، یہاں سے مختصر الفاظ میں اللہ تعالی نے فرمایا اوپر جن عورتوں سے نکاح حرام بتایا گیا ہے، بس وہی حرام ہیں، اُن محرمات کے سوا جو بھی ہیں اُن کو نکاح میں لانا جائز اور حلال ہے، ظاہر ہے کہ اِس سے پہلے جب **محصنٰت** بمعنی شادی شدہ عورتیں حرام ذکر ہوئیں، تو اُن کے بعد جو حلال بتائی جا رہی ہیں وہ **محصنٰت** بمعنی شادی شدہ نہیں ہوسکتیں، بلکہ غیر شادی شدہ ہی

ہوسکتی ہیں، لہٰذا" **مَاوَرَاءَ ذَالِکُمْ** " میں غیر شادی شدہ آزاد عورتوں کا بھی ذکر آ گیا، تو اب یقیناً وہ معہود ہوگئیں، **فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** میں ضمائر کی صورت میں بھی اُنہی کا ذکر کیا گیا جو غیر شادی شدہ تھیں (ہاں اب نکاح میں لائی گئی ہیں) تو اِتنے ذکر سے وہ معہود ہوگئیں، اُس کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا: **وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ**. تم میں سے کوئی اگر غیر شادی شدہ آزاد مؤمنات سے شادی کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر مؤمنات باندیوں سے نکاح کرے۔

مسئلہ چوں کہ نکاح کرنے سے متعلق ہے اس لئے یہاں بھی" **المحصنٰت** " سے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں، اور وہ چوں کہ **ماوراء ذالکم** میں ذکر ہونے کی وجہ سے معہود ہو چکی ہیں اس لئے "**المحصنٰت المؤمنٰت** " میں الف لام عہد خارجی کا لایا گیا، اور پھر جب نکاح کے ذریعے باندیوں کے شادی شدہ ہوجانے کا ذکر ہوگیا تو اب یہ مسئلہ بیان کیا گیا: **فاذا اُحصنّ فان اتین بفاحشة فعلیھن نصف ماعلی المحصنٰت من العذاب**. جب باندیاں محصنہ ہوگئیں تو اب اگر بے حیائی کی حرکت کرلیں تو اِسے پہلے جو **محصنٰت** معہود تھیں یعنی غیر شادی شدہ آزاد عورتیں، اُن کی ایسی حرکت کرنے پر جو سزا ہے اُس کی آدھی اِن محصنہ باندیوں کی سزا ہے۔

تو جب اِسے پہلے **محصنٰت** بمعنی شادی شدہ اور اُن کی سزا ذکر ہی نہیں ہوئی، تو یہاں **ماعلی المحصنٰت** میں وہ **محصنٰت** کیسے مراد ہوسکتی ہیں؟

واضح ہوا کہ یہاں **المحصنٰت** کا الف لام عہد خارجی کا ہے، مراد وہی غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہیں جن کا ذکر پہلے اِنہی لفظوں کے ساتھ ہوا ہے۔

واضح رہے کہ جن دو آیتوں سے غامدی صاحب وغیرہ رجم کے خلاف صرف کوڑوں کی سزا ثابت کرتے ہیں اُنہی دو آیتوں سے خوارج نے رجم کے انکار پر دلیل لی تھی (تفسیر الرازی: ۳۰۵/۲۳،۵۲/۱۰ وغیرہ) گو سابق خوارج پاک و ہند میں نہیں ہیں، لیکن یہ صاحب بھی کئی باتوں میں خوارج کے مذہب پر اور اُن کے ترجمان ہیں۔

احادیثِ رجم کا صاف انکار:

فراہی صاحب لکھتے ہیں:

وحدیث الرجم منه، لاثقة بهٖ (الرائع فی اصول الشرائع: ۶۳). رجم کی حدیث بھی انہی حدیثوں میں سے ہے (جو قرآن کے خلاف ہیں) لہٰذا اُس پر اعتماد نہیں ہے۔ **فالقول بالرجم لایصح، ولایبعد ان الیھود لما رأوا الاسلام قد جاء بتخفیف و کانوا یکتمون الرجم**

وضعوا حديث الشيخ والشيخة وحديث قد جعل الله لهن سبيلاً تحريفاً لما جاء في سورة النساء (حواشي فراهي على القرآن الكريم مخطوطة صفحه: ۳۴۱)

رجم کا قول ہی صحیح نہیں، اور یہ بات بعید نہیں کہ جب یہود نے دیکھا کہ اسلام زنا کی ہلکی سزا لایا ہے، اور وہ تو رجم کا حکم چھپاتے تھے، تو اُنہوں نے "**الشیخ والشیخة**" والی حدیث، اور "**قد جعل الله لهن سبيلاً**" والی حدیث سورہ نساء میں آئے ہوئے حکم میں تحریف کے لئے گھڑ لی ہو۔

غامدی صاحب اور اُن کے پورے گروہ کو چیلنج ہے کہ فراہی صاحب سے پہلے کے اسلاف میں سے صرف ایک کا حوالہ پیش کیجیے کہ کسی نے رجم کی حدیث کو ضعیف نا قابل اعتبار، یا قرآن کے خلاف، یا یہود کی گھڑی ہوئی کہا ہو؟ ہماری نظر میں فراہی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے رجم کی متواتر احادیث کو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے، اگر راوی جھوٹے ہیں تو پھر اُنہی راویوں سے لیا ہوا باقی دین کیسے سچا ہے؟ اور اگر روایت بالمعنی ہونے کے سبب جھوٹی روایات ہیں تو کُل دینی احکام کیوں جھوٹے نہیں ہیں؟ الفاظِ قرآن سمیت کُل دینی احکام کی محفوظیت کی گارنٹی کونسی ہے؟ قرآن کی گارنٹی **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** ہے تو اس آیت کے واقعی قرآن کا حصہ ہونے کی کونسی گارنٹی ہے؟؟ سوچیئے اور خوب سوچیے!

غامدی اجتہادات سارے دین کو مشکوک بناتے ہیں۔

دنیا میں ایک عجوبہ، بندروں میں رجم کا واقعہ:

امام بخاری اپنی سند سے حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن میمون فرماتے ہیں:

رئيت في الجاهلية قردة اجتمع عليها قردة قد زنت فرجموها فرجمتها معهم (صحيح بخاری: ۳۸۴۹، التاريخ الكبير للبخاری: ۳۶۷/۶، تاريخ دمشق: ۴۱۲/۴۶، سير اعلام النبلاء: ۸۶/۵، الاصابة: ۱۲۰/۵) میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ ایک بندری پر جس نے اپنے بندر کے سوا سے خواہش پوری کی تھی، بندر اکٹھے ہوئے، اُنہوں نے اُس کو رجم کیا، اور اُن کے ساتھ ہو کر میں نے بھی اُس کو رجم کیا۔

امام اسماعیلی نے عیسی بن حطان کی سند سے اِس واقعہ کو تفصیل سے اس طرح بیان کیا کہ عمرو رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں یمن میں اپنے گھر کی بکریوں میں ایک اونچائی کے علاقے میں تھا، ایک بندر بندری کے ساتھ آیا، بندر نے بندری کے ہاتھ کو تکیہ بنایا، اسی دوران اُس بندر سے چھوٹا ایک بندر آیا، اُس بندری کو اشارہ کیا، اُس نے بندر کے سر کے نیچے اپنا ہاتھ آہستہ سے نکال لیا، اور اُس بندر کے پیچھے چل پڑی، میں دیکھ رہا تھا وہ بندر اُس بندری سے جفتی ہوا، پھر وہ بندری واپس آئی، تو آہستہ سے پہلے والے بندر کے گال

کے نیچے اپنا ہاتھ رکھنے لگی، وہ گھبرا کر اٹھا، بندری کو سونگھا، اور آواز نکالی، تو بہت سے بندر جمع ہو گئے، وہ بندر چیختا تھا اور اُس بندری کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتا تھا، تو بندر دائیں بائیں گئے، اور اُسی (چھوٹے) بندر کو لائے، میں اُس کو پہچان رہا تھا، تو دونوں بندر و بندری کے لئے اُنہوں نے گڑھا کھودا، اور دونوں کو رجم کیا، تو میں نے انسانوں کے سوا (ان جانوروں) میں بھی رجم دیکھا ہے۔ (عمدۃ القاری: ۳۰۰/۱۶)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفیہ من شدة الغیرة مایوازی الآدمی ولایتعدی احدھم الی غیر زوجتہٖ، فلایدع فی الغالب ان یحملھامارکب فیھامن غیرة علی عقوبة من اعتدی الی مالم یختص بہ من الانثی. (فتح الباری: ۴۲۴/۷) بندر میں آدمی کے برابر سخت غیرت ہے، اور اُن میں سے کوئی اپنی مادہ کے سوا کے پاس نہیں جاتا، تو جو غیرت اُس میں رکھی گئی ہے، وہ اُس کو اکثر طور پر اُس بندر کو سزا دینے پر مجبور کرتی ہے جو اپنی مخصوص مادہ کے سوا کی طرف تجاوز کرلے۔

غامدی صاحب کا بیان کیا ہوا ایک فرمانِ رسول؟

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اِسی طرح کے مجرموں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ چونکہ محض زنا ہی کے مجرم نہیں ہیں بلکہ اِس کے ساتھ آوارہ منشی اور جنسی بے راہ روی کو اپنا معمول بنا لینے کی وجہ سے فساد فی الارض کے مجرم بھی ہیں، اس وجہ سے اِن میں سے ایسے مجرموں کو جو اپنے حالات کے لحاظ سے رعایت کے مستحق ہیں، زنا کے جرم میں سورہ نور کی آیت ۲ر کے تحت سو کوڑے اور معاشرے کو اُن کے شر سے بچانے کے لئے اُن کی اوباشی کی پاداش میں مائدہ کی آیت ۳۳ر کے تحت نفی یعنی جلاوطنی کی سزا دی جائے، اور اِن میں سے وہ مجرم جنہیں کوئی رعایت دینا ممکن نہیں ہے، مائدہ کی اسی آیت کے حکم **ان یقتلوا** کے تحت رجم کر دیئے جائیں۔'' (میزان: ۶۱۳)

ممکن ہے کہ یہاں رسول اللہ سے مراد اصلاحی صاحب یا فراہی صاحب ہوں، اور اگر واقعی رسول کریم حضرت محمد ﷺ مراد ہیں تو غامدی صاحب اور اُن کا گروہ رسول اللہ ﷺ کے اِس فرمان کو تلاش کر دے کہ یہ فرمان حدیث کی کِس کتاب میں ہے؟

بہر حال ہماری سمجھ میں ان ثلاثہ (تکون) کا اپنا غیر مجتہدانہ اجتہاد ہے جس کے نتیجہ میں احادیث کا انکار ہے، قرآن مجید کی من مانی تفسیر (تحریف) ہے، اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے ذمہ وہ لگانا ہے جو اُن کا فرمایا ہوا نہیں ہے، بس اِس پر مزید لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، جو ماننے پر آمادہ ہو اُس کے لئے یہی کافی ہے، اور جو نہ ماننے پر مُصِر ہو اُسے دنیا کا کوئی شخص نہیں منوا سکتا۔ (جاری ہے۔۔۔)

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

علی زئی جواب پر ایک نظر

(قسط:۱۳)

زبیر علی زئی:

قربانی کے چار دن اور اہلِ حدیث علماء:

رب نواز دیوبندی نے تین دن[۵۹۱] قربانی والی روایت کے مطابق فتوی دینے یا اس سے استدلال کرنے کے بارے میں درج ذیل علماء کے نام لکھے ہیں:

شوکانی، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا عزیز زبیدی، مولانا علی محمد سعیدی، حافظ عبدالمنان نور پوری، شیخ عبدالقہار و عبدالستار، ڈاکٹر فضل الٰہی، اشرف سلیم صاحب اور مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد وغیرہم۔ (دیکھئے رسالہ تسکین الصدور[۵۹۲] ج ا ش ۷ شوال تا ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ ص ۵۳)

مذکورہ علماء میں سے حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ[۵۹۳] نے حدیث مذکور پر منقطع ہونے کے اعتراض کا جواب دیا[۵۹۴] ہے اور شوکانی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ابن حبان نے اس حدیث کو موصول[۵۹۵] ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں[۵۹۶] اس کو روایت کیا ہے۔''

نیز[۵۹۸] حافظ صاحب نے بحوالہ حافظ ابن القیم[۵۹۷] تیرہویں تاریخ کو قربانی کے جواز پر حدیثِ اِدخار و آثار سلف صالحین[۵۹۹] سے استدلال کیا ہے۔ (فتاویٰ اہلِ حدیث ج ۲ ص ۹۸)

راقم الحروف کے نزدیک یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف[۶۰۰] ہے، جب کہ مذکورہ علماء کے نزدیک یہ حدیث صحیح[۶۰۱]، شواہد[۶۰۲] کے ساتھ حسن یا[۶۰۳] آثار کی تائید کی وجہ سے قابلِ استدلال ہے، لہٰذا فریقین کے درمیان اُصولی اختلاف نہیں بلکہ اجتہادی[۶۰۴] اختلاف ہے۔

رب نواز دیوبندی نے سوال لکھا ہے[۶۰۵]:

''اب سوال یہ ہے کہ ایام تشریق والی روایت پیش کرنے، اس پر فتویٰ دینے اور استدلال کرنے والی بے شمار... ضعیف ہیں؟ اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ منقطع ہونے سے مراد منقطع النسب ہے یا کچھ اور[۶۰۶]؟'' الخ (رسالہ تسکین الصدور ج ا ش ۷ ص ۵۴)

الجواب: مذکورہ علماء نے روایات و آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے جو موقف اختیار کیا ہے وہ ہمارے نزدیک مرجوح[۶۰۷] ہے اور یہ ان کی اجتہادی[۶۰۸] خطا ہے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے روایت مذکورہ کو صحیح[۶۰۹] سمجھ کر اس سے استدلال کیا اور اسے کسی صحیح صریح[۶۱۰] دلیل کے خلاف پیش نہیں کیا اور نہ کسی دوغلی پالیسی[۶۱۱] کا ارتکاب کیا ہے۔

الجواب:

۵۹۱

علی زئی نے کہا: ''رب نواز دیوبندی نے تین دن قربانی والی روایت کے مطابق فتوی دینے یا اس سے استدلال کرنے کے بارے میں درج ذیل علماء کے نام لکھے ہیں۔''

عرض ہے کہ رب نواز نے ''چار دن'' قربانی کو حدیث کا مسئلہ کہنے والے آلِ غیر مقلدیت کے نام لکھے ہیں نہ کہ ''تین دن'' کا نظریہ رکھنے والوں کے۔ شوکانی سے لے کر داؤد ارشد تک یہ سب قربانی کے چار دن مانتے ہیں۔

۵۹۲

رسالہ ''تسکین الصدور'' بہاول پور سے ہمارے محترم دوست حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی دام ظلہ کی زیر ادارت شائع ہوتا رہا ہے، اب کئی سال سے بند ہے۔ کاش کہ یہ مفید رسالہ پھر سے جاری ہوجائے۔ اللہ آسانی فرمائے اور رکاوٹوں کو دُور کرے، آمین۔

۵۹۳

علی زئی صاحب نے عبداللہ روپڑی کے متعلق تو کچھ لکھ دیا جس کا جواب آگے حاشیہ: ۵۹۵ر میں آرہا۔ مگر باقی لوگوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ وجہ؟

۵۹۴

علی زئی نے لکھا: ''روپڑی نے حدیث مذکور پر منقطع ہونے کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔''

مگر یہ بات ادھوری ہے مکمل بات یوں ہوتی کہ روپڑی صاحب نے انقطاع کو رفع کرنا چاہا مگر ناکام رہے۔ دیکھئے! حاشیہ: ۵۹۵ر وغیرہ۔

روپڑی صاحب تو کافی عرصہ پہلے کے ہیں جب بہت سی کتبِ حدیث مخطوطوں اور قلمی نسخوں کی شکل میں کہیں کہیں پائی جاتیں، عام دستیاب نہ تھیں۔ اب تو بیسیوں مخطوطے اور قلمی نسخے شائع ہوکر ہر کسی کی دسترس میں آگئے ہیں۔ اس کے باوجود موجودہ دَور کے آلِ غیر مقلدیت اِس روایت کو صحیح ثابت کرنے سے عاجز ہیں، جیسا کہ خود علی زئی صاحب نے لکھا:

''اِس روایت کو شیخ البانی، حافظ الیاس اثری اور ڈاکٹر (؟) محمد شریف شاکر وغیرہم میں کوئی بھی باسند صحیح ثابت نہیں کرسکا، بلکہ سب ناکام رہے ہیں۔'' [علمی مقالات: ۳۴۰/۴]

جب کتابوں کی فراوانی کے دَور میں آلِ غیر مقلدیت اس روایت کو صحیح ثابت کرنے میں بے بس و

عاجز ہیں تو کتب کی نایابی کے زمانہ میں روپڑی صاحب اسے صحیح ثابت کیسے کر پاتے؟ انہوں نے تو شوکانی کی زبانی صرف اتنا نقل کرنا کافی سمجھا کہ ابن حبان نے اسے موصول بیان کیا ہے۔ اور اس کی حقیقت کیا ہے وہ حاشیہ: ۵۹۵ میں خود علی زئی کی زبانی مذکور ہے۔

۵۹۵

''روپڑی صاحب نے شوکانی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ابن حبان نے اس حدیث کو موصول ذِکر کیا ہے۔''

اس کا جواب خود علی زئی کے قلم سے ملاحظہ ہو:

''صحیح ابن حبان... وغیرہ میں سلیمان بن موسیٰ عن عبد الرحمن ابی حسین عن جبیر بن مطعم کی سند سے مروی ہے کہ ((وفی کل ایام التشریق ذبح)) اور سارے ایام تشریق میں ذبح ہے۔ یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے (۱) حافظ البزار نے کہا: وابن ابی حسین لم یلق جبیر بن مطعم اور (عبد الرحمٰن) بن ابی حسین کی جبیر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ (البحر الزخار: ۳۶۴/۸ ح: ۳۴۴۴، نیز دیکھئے نصب الرایہ ج ۳ ص ۶۱ والتمہید نسخۂ جدیدہ: ۲۸۳/۱۰) (۲) عبد الرحمٰن بن ابی حسین کی توثیق ابن حبان (الثقات: ۱۰۹/۵) کے علاوہ کسی اور سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔''

[توضیح الاحکام: ۱۷۸/۲]

جب ابن ابی حسین کی سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں تو سند موصول کیسے ہوئی؟ مزید یہ کہ ابن ابی حسین مجہول الحال ہے اور علی زئی کے ہاں مجہول کی روایت من گھڑت ہوتی ہے۔

[توضیح الاحکام: ۳۸۳/۲، علمی مقالات: ۳۰۷/۴]

اور ان کے بقول من گھڑت روایت سے استدلال کرنا ''کذب بیانی کو فروغ دینا'' ہے۔''

[توضیح الاحکام: ۳۷۹/۲]

بتائیے! روپڑی صاحب انقطاع کے الزام کو رفع کرنے میں ناکام رہے ہیں یا نہیں؟ نہ صرف ناکام رہے بلکہ علی زئی اُصول کی رو سے ''کذب بیانی کو فروغ دینا'' اختیار کیا۔

آلِ غیر مقلدیت کے کچھ مزید حوالے ملاحظہ ہوں۔

عبید اللہ عفیف غیر مقلد نے ایام تشریق ذبح والی روایت کے متعلق لکھا:

''ان تمام طرق کو علامہ زیلعیؒ اور امام ابن قیمؒ نے منقطع قرار دیا ہے۔

[ہفت روزہ اہلِ حدیث لاہور ۳۱/جولائی تا ۷/اگست ۱۹۸۷ء: ۲۴]

محمد الیاس اثری غیر مقلد نے زاد المعاد کے حوالہ سے لکھا:

’’ان حدیث جبیر بن مطعم منقطع لایثبت وصلہ، کہ حدیث جبیر منقطع ہے۔‘‘ [ایام قربانی: ۱۲]

اثری صاحب نے لایثبت وصلہ کا ترجمہ کسی وجہ سے چھوڑ دیا۔ اس جملہ کا معنیٰ یہ ہے اس روایت کا متصل ہونا ثابت نہیں۔

عبید اللہ عفیف اور محمد الیاس اثری کی مذکورہ عبارتیں بندہ نے حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ کی کتاب ’’قربانی کے صرف تین دن ہیں: ۶۴‘‘ سے نقل کی ہیں۔

علی زئی کے شاگرد غلام مصطفیٰ ظہیر غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’یاد رہے کہ مسند احمد وغیرہ میں موجود حدیث: کل ایام التشریق ذبح۔ ایام تشریق (۱۱،۱۲،۱۳ ذوالحجہ) سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں‘‘ انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔‘‘

[ماہنامہ السنۃ، شمارہ: ۲، صفحہ ۳۵]

غیر مقلدین کے بزرگ محمد بشیر سہسوانی صاحب نے لکھا:

’’حدیث جبیر بن مطعم ... جس میں یہ زیادت ہے وفی کل ایام تشریق ذبح۔ جمہور محققین نے تصریح کی ہے کہ یہ زیادت غیر محفوظ ہے۔ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے اگر کسی طریق کو ترجیح دی جائے تو اضطراب رفع ہو جاتا ہے لیکن انقطاع باقی رہتا ہے، کیوں کہ کوئی طریق راجح انقطاع سے خالی نہیں ہے اور اگر کسی طریق کو ترجیح نہ دی جائے تو اضطراب ثابت رہتا ہے، اگر کوئی شبہ کرے کہ حافظ نے تخریج ہدایہ میں لکھا ہے: واخرجہ الدارقطنی من وجھین آخرین موصولین فیھما ضعف. انتھی پس دونوں طریق کی وجہ سے اس حدیث کی تقویت ہو جائے گی۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ طریق کوئی جدید نہیں ہیں بلکہ طرق موجبۂ اضطراب ہیں جو سب ضعف میں داخل ہیں اور اگر کوئی کہے کہ اس باب میں ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے یہی روایت ہے یہ دونوں روایتیں حدیث جبیر بن مطعم کی تقویت کے لیے کافی ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ حدیث ابو ہریرہ وابو سعید موضوع ہیں یا شدید الضعف۔ اس لیے تقویت نہیں کر سکتیں ہیں اور منقطع و مضطرب جمہور بلکہ کل محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔‘‘ [فتاویٰ علمائے حدیث: ۱۳/ ۱۶۸]

محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’جبیر بن مطعم کی حدیث مختلف طریق سے مقطوع مرفوع ثقات ضعاف سب سے مروی ہے (مگر) تمام طریق میں کچھ نہ کچھ نقص ہے۔‘‘ [فتاویٰ علمائے حدیث: ۱۳/ ۱۶۹]

سلفی صاحب نے مزید لکھا:

’’بعض کم فہم اور متعصب [جنہیں کم فہم اور متعصب کہا ان میں علی زئی بھی شامل ہیں کیوں کہ انہوں نے بھی پُر زور انداز میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے (ناقل)] حضرات سارا زور جبیر بن مطعم کی حدیث اور اس پر جرح میں صرف کر دیتے ہیں حالاں کہ جبیر بن مطعم کی حدیث استدلال کی بنیاد نہیں بلکہ مؤید ہے۔‘‘ [فتاویٰ علمائے حدیث: ۱۳/۱۷۱]

لو جی! اسماعیل سلفی صاحب نے ہاتھ کھڑے کر دیئے کہ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ والی روایت چار دن قربانی والے موقف کی بنیاد ہی نہیں، بلکہ تائید کے طور پر ہے۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ اس روایت کو بنیاد بنانے والے آلِ غیر مقلدیت غلطی پر ہیں۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے بنیاد بننے کی حیثیت میں نہیں۔ یہاں یہ بھی واضح کیا جائے جب اصل اور بنیادی دلیل یہ روایت نہیں تو پھر اور کون سی حدیث ہے جس سے سلفی صاحب وغیرہ آلِ غیر مقلدیت نے چار دن قربانی کے جواز کا مسئلہ لیا؟

۵۹۶ علی زئی نقل کرتے ہیں: ’’ابن حبان نے... اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے۔‘‘

اس کا جواب یہ ہے کہ ایام تشریق ذبح کے دن ہیں والی روایت ابن حبان میں ہونے کے باوجود علی زئی صاحب کے ہاں ضعیف ہے۔ اور مزید یہ کہ غیر مقلدین نے اعتراف کیا ہے کہ ابن حبان تصحیح روایت میں متساہل ہیں۔ چند نقول ملاحظہ ہوں۔

عبد الرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں: ’’اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں۔‘‘ [تحقیق الکلام: ۱/۷۷]

عبد الرؤوف سندھو لکھتے ہیں: ’’واضح رہے کہ ابن حبان کا اس کو ثقات میں ذِکر کرنا معتبر نہیں کیوں کہ وہ مجاہیل کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔‘‘ [القول المقبول: ۳۲۵]

ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: ’’ابن حبان متساہل ہیں۔‘‘ [توضیح الکلام: ۲/۲۶۹]

البانی نے لکھا: ’’انما وثقه ابن حبان وهو معروف بتساهله، اسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا مگر وہ تساہل میں مشہور ہیں۔ [سلسلة الاحاديث الضعيفة: ۱/۴۶۶]

رفیق سلفی لکھتے ہیں:

’’ابن حبان کی توثیق کو ائمہ رجال کچھ وقعت نہیں دیتے۔‘‘ [ہفت روزہ الاعتصام، ۹ ستمبر ۱۹۹۴ء: ۱۸]

علی زئی کے استاد عبد المنان نور پوری لکھتے ہیں:

’’تصحیح میں ابن حبان اور ابن خزیمہ کا تساہل مشہور ہے۔‘‘ [تعداد تراویح: ۳۴]

خود عبد اللہ روپڑی صاحب جنہوں نے ایام تشریق ذبح والی روایت کو مقبول باور کرانے کے لیے ابن حبان کی تصحیح کا سہارا لیا، وہ بھی امام ابن حبان کو متساہل کہتے ہیں، جیسا کہ ’فتاویٰ اہلِ حدیث: ۲/۵۰۸‘

کے حوالے سے حاشیہ: ۶۱۱ رمیں منقول ہوگا، اِن شاء اللہ۔

اپنے آلِ غیر مقلدیت کا دفاع کرنے والے علی زئی صاحب نے لکھا:

''اس شدید جرح کے مقابلے میں حافظ ابن حبان کا اس راوی کو''کتاب الثقات ''(۱۴۳/۸) میں ذِکر کرنا مردود ہے۔''[الحدیث:۱۵/۲۱]

تنبیہ: امام ابن حبان رحمہ اللہ کے متساہل ہونے کے مذکورہ حوالے حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب کی کتاب''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ:۳۱۸''سے منقول ہیں۔

۵۹۷

غیر مقلدین متعدد مواقع میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کو اپنا ہم مسلک قرار دے کر اُن کا سہارا لیا کرتے ہیں جیسا کہ یہاں چار دن قربانی کے سلسلے میں کیا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ تقلید کے متعلق ان کا نظریہ سامنے لایا جائے۔

ابوزکی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم بھی مسلک کے لحاظ سے حنبلی تھے۔ محمد بن عبد الوہا نجدی بھی حنبلی تھے۔ حنبلی مسلک کے پیروکار سعودی عرب میں موجود ہیں اور سعودی حکومت کا سرکاری مذہب بھی حنبلی ہے۔''

[فقہی مسلک کی حقیقت:۷۲]

شیخ عبد العزیز بن باز (سعودی عرب) لکھتے ہیں:

''زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بوقت ضرورت اس شخص کی تقلید کی گنجائش ہے جو علم و فضل اور استقامت عقیدہ میں معروف ہو جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں بیان کیا ہے۔''[مقالات وفتاویٰ:۱۴۵]

محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اگر مقلد قرآن، حدیث کے خلاف مسائل چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ تقلید کی قابلِ برداشت اور مناسب ترین صورت ہے میاں [نذیر حسین دہلوی (ناقل)] صاحب اور حافظ ابن قیم نے اسے گوارہ فرمایا ہے۔''[تحریک آزادی ٔ فکر:۹۶۴]

اب حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا اپنا کلام ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

''وَاَمَّا تَقْلِیْدُ مَنْ بَذَلَ جُهْدَهٗ فِیْ اتِّبَاعِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَخَفِیَ عَلَیْهِ بَعْضُهٗ فَقَلَّدَ فِیْهِ مَنْ هُوَ اَعْلَمُ مِنْهُ فَهٰذَا مَحْمُوْدٌ غَیْرُ مَذْمُوْمٍ وَمَاْجُوْرٌ غَیْرُ مَاْزُوْرٍ۔[اعلام الموقعین:۱۸۸/۲]

بہر حال جو شخص اللہ کے نازل کردہ کی اتباع میں کوشش خرچ کرتا ہے اور اس پر کچھ چیزیں مخفی رہ جائیں ان میں وہ اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید کرتا ہے تو ایسا شخص قابلِ تعریف ہے، نہ کہ قابل مذمت۔ اسے اجر دیا جائے گا، نہ کہ گناہ ہوگا۔

۹۸ ص

علی زئی نے کہا: ’’نیز حافظ صاحب نے بحوالہ حافظ ابن القیم تیرہویں تاریخ کو قربانی کے جواز پر حدیثِ اِدخار... سے استدلال کیا ہے۔‘‘

وہ استدلال کیا ہے آپ بھی پڑھیے۔ روپڑی صاحب نے لکھا:

’’علامہ ابن القیم نے زاد المعاد جلد اول میں تیرہویں تاریخ کو قربانی کے جواز کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ حدیث ادخار (جس میں تین دن سے گوشت کا ذخیرہ کرنا منع تھا) سے تیرہویں تاریخ کو ذخیرہ کرنا ثابت ہو گیا تو تیرہویں کو قربانی کی ممانعت نہ رہی۔‘‘ [فتاویٰ اہلِ حدیث: ۹۸/۲]

غیر مقلدین نے تین دن کے قائلین صحابہ کرام کے فتاویٰ تو رد کر دیئے۔ اس کے بالمقابل ابن قیم کی رائے کو مان لیا۔ اور وہ رائے بھی بوجوہ بے وزن ہے۔

۱- اگر حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی رائے وزنی اور جان دار تھی تو خود علی زئی صاحب نے اسے کیوں نہیں تسلیم کیا اور تین دن قربانی کے قائل کس لیے ہوئے؟

۲- شیخ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں چوں کہ تیرہویں کے دن گوشت ذخیرہ کرنے کی ممانعت ختم ہوئی اس لیے اس دن قربانی جائز ہے۔ عرض ہے کہ تیرہ ذوالحجہ کے بعد کے دنوں میں بھی تو ذخیرہ کرنے کی ممانعت ختم ہے تو پھر چودہ، پندرہ، سولہ ذوالحجہ کو قربانی جائز کیوں نہیں؟

۳- حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے حدیث ادخار کو چار دن قربانی کے جواز کی دلیل بنایا ہے جب کہ یہ حدیث تو تین دن قربانی کی دلیل ہے۔ علمائے امت نے اسے تین دن قربانی کے دلائل میں ذکر کیا ہے بلکہ مزے کی بات یہ کہ خود علی زئی نے بھی تین دن قربانی والے موقف کی دلیل بنایا ہے۔

چنانچہ علی زئی صاحب حدیثِ ادخار کے متعلق لکھتے ہیں:

’’یہ ذیلی دلیل صرف میرا استدلال نہیں بلکہ مجھ سے پہلے ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہی استدلال کیا۔ (دیکھئے المغنی: ۳۵۹/۹ مسئلہ: ۷۸۸۳) ابن قدامہ سے پہلے ابوالولید الباجی (متوفی ۴۹۴ھ) نے بھی اسی حدیث سے یہی استدلال کیا ہے۔ دیکھئے المنتقیٰ شرح المؤطا للباجی (۱۹۴/۴) قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے بھی اپنے بعض مشائخ سے یہی استدلال نقل کیا ہے۔ دیکھئے اکمال المعلم بفوائد مسلم

(۴۲۴/۶)'' [علمی مقالات: ۳۴۲/۴]

علی زئی صاحب نے مزید لکھا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ یہ ممانعت اس کی دلیل ہے کہ قربانی تین دن ہے والا قول راجح ہے۔''

[توضیح الاحکام: ۱۸۱/۲]

توضیح الاحکام میں مذکورہ تحریر کے آخر میں تاریخ ۲/مئی ۲۰۰۷ء درج ہے۔ اور جس تحریر میں علی زئی حافظ ابن القیم کی زبانی روپڑی وغیرہ آلِ غیر مقلدیت کا دفاع کر رہے ہیں وہ ۳/ستمبر ۲۰۱۳ء کی ہے۔

[علمی مقالات: ۴۶۱/۶]

یعنی حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی جس بات کو آلِ غیر مقلدیت کے دفاع میں پیش کیا اسی بات کو علی زئی خود ہی اپنے قلم سے قریباً چھ سال پہلے مردود قرار دے چکے ہیں۔ مگر چوں کہ آلِ غیر مقلدیت کا دفاع مطلوب تھا، اس لیے اسی مردود بات کو چھ سال بعد دفاعی رخ دے کر پیش کر دیا۔

اِدھر اک سوال بھی ہے۔ علی زئی کے نزدیک کسی کی صحیح بات ماننا اتباع ہے اور غلط بات تسلیم کرنا تقلید ہے۔ [دین میں تقلید کا مسئلہ] اس لیے یہاں واضح کیا جائے روپڑی صاحب نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی بات مان کر اتباع کی ہے یا تقلید؟

فائدہ: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ایک طرف چار دن والی ضعیف روایت کو صحیح باور کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور دوسری طرف صحیح مسلم (ح: ۲۵۰۱، دار السلام: ۶۴۰۹) کی حدیث کو غیر محفوظ قرار دے دیا ہے۔ جس کا مضمون ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ جیسا کہ وکیل ولی قاضی غیر مقلد (حیدر آباد) نے لکھا:

''حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے مذکورہ کتاب [الصلوۃ والسلام علی رسول اللہ (ناقل)] میں صفحہ ۱۶۷/ سے ۱۷۵/ تک میں اس روایت کا دفاع کرنے والوں پر رد کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے: ''ٹھیک تو یہی ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں کچھ خلط ملط ضرور ہوا ہے۔'' [الحدیث شمارہ: ۹۹ صفحہ ۱۵]

وکیل ولی قاضی کی یہی تحریر علی زئی کی کتاب ''توضیح الاحکام: ۱۹۱/۳'' میں بھی موجود ہے۔

۹۹۵ ''ابن قیم نے آثار سلف صالحین سے استدلال کیا ہے۔''

جواب آسان ہے۔

اولاً: علی زئی صاحب کو اعتراف ہے کہ نبوی حدیث (حدیثِ ادخار والی) سے تین دن قربانی

والے موقف کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ حاشیہ: ۵۹۸ر میں منقول ہوا۔ اس حدیث کے مقابلہ میں آثار سلف صالحین کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

ثانیاً: علی زئی صاحب نے تین دن قربانی والے موقف کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھا:

''تابعین کرام کے یہ آثار چوں کہ صحابۂ کرام کے آثار کے خلاف ہیں، لہٰذا اُن کے مقابلہ میں صحابۂ کرام کے آثار کو ہی ترجیح حاصل ہے۔'' [علمی مقالات: ۳۴۱/۴]

علی زئی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''بات صحابی کی مانی جائے گی نہ کہ بعد میں آنے والے شخص کی، جس کا قول وفعل بلکہ اس کی پوری ذات کسی صحابی کے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔'' [نور العینین صفحہ ۳۰ طبع ۲۰۰۶ء]

علی زئی صاحب کے لئے اپنے قلم سے لکھے گئے جواب سے پسندیدہ اور کیا جواب ہو سکتا ہے؟

۶۰۰ علی زئی نے یہ تو لکھ دیا:

''راقم الحروف کے نزدیک یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔''

اس کے ساتھ اپنی درج ذیل بات بھی یہاں دہرا دیتے:

''غلط روایت کو صحیح السند کہہ کر پیش کرنا بہت بڑا جھوٹ ہے۔'' [علمی مقالات: ۵۷۹/۱]

دونوں باتیں لکھنے سے اس روایت سے استدلال کرنے والے آلِ غیر مقلدیت کی حیثیت سب کے سامنے آجاتی۔

۶۰۱

''مذکورہ علماء کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔'' ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت غیر مقلدین کے نزدیک اس لیے صحیح ہے کہ وہ ان کی رائے کے موافق ہے ورنہ اس کی حقیقت تو آپ خود بیان کر چکے کہ تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے؟ جب کہ آپ کو یہ اعتراف بھی ہے کہ صحابہ کرام کو بعد والوں پر ترجیح حاصل ہے۔ دیکھئے حاشیہ: ۵۹۹۔

۶۰۲

''شواہد کے ساتھ حسن'' وہ شواہد کہاں ہیں؟ اگر واقعۃً شواہد کی وجہ سے حسن ہے تو پھر آپ اسے حسن تسلیم کرنے کی بجائے ''ضعیف'' کیوں کہتے ہیں؟

۶۰۳

''آثار کی تائید کی وجہ سے قابلِ استدلال ہے۔'' جناب! وہ کن لوگوں کے آثار ہیں؟ صحابہ کرام

کے بارے میں تو آپ خود لکھ چکے کہ وہ تین دن قربانی کے قائل ہیں اور کسی ایک صحابی سے بھی چار دن والا موقف ثابت نہیں۔ آلِ غیر مقلدیت کو بعد والوں میں سے بعض کے تو آثار نظر آ گئے لیکن صحابہ کرام کے آثار کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ جب کہ آپ خود اعتراف کر چکے کہ صحابہ کرام کو بعد والوں پر ترجیح حاصل ہے۔ دیکھئے حاشیہ: ۵۹۹۔

۶۰۴

علی زئی نے کہا: ''فریقین [غیر مقلدین کے دو فریقوں (ناقل)] کے درمیان اُصولی اختلاف نہیں بلکہ اجتہادی اختلاف ہے۔''

اس پر بطورِ تبصرہ کئی طرح بات کی جاسکتی ہے۔

۱- علی زئی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چار دن قربانی کا موقف وحی کا مسئلہ نہیں بلکہ امتی کا اجتہاد ہے۔

۲- غیر مقلدین کا یہ دعویٰ غلط ہوا کہ دوسروں کے پاس امتی کی آراء ہیں اور ہم اہلِ حدیث افراد امت کے اقوال کی بجائے قوم کو قرآن وحدیث کے نصوص ہی پیش کرتے ہیں۔

۳- آلِ غیر مقلدیت کے عوام قربانی کے چار دن کا نظریہ اپنانے میں اپنے مولویوں کے پیرو ہیں لہٰذا انہیں اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ وہ صرف اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو ہیں یا ان کے مولوی صرف قرآن وحدیث پیش کرتے ہیں۔!!

۴- جب یہ مسئلہ اجتہادی ہے تو غیر مقلدین کی طرف سے یہ کہنا کہ احناف چار دن قربانی کا موقف تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے حدیث کے مخالف ہیں غلط ہوا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ حنفی حضرات غیر مقلدین کی رائے کے مخالف ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ حنفیوں کو اس مسئلے میں اپنی رائے کا مخالف کہنے کے بجائے حدیث کا مخالف کہتے ہیں جیسا کہ علی زئی کے استاد بدیع الدین راشدی غیر مقلد نے ''فقہ اور حدیث: ۸۲، ۸۳، مطبوعہ جمعیت اہلِ حدیث سندھ'' میں کہا ہے۔

یہی حرکت منیر قمر غیر مقلد نے کی۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:

''بعض کے نزدیک قربانی کے دن صرف تین ہی ہیں مگر یہ موقف مذکورہ بالا حدیث [ایام تشریق ذبح والی (ناقل)] کے خلاف ہے۔'' [عیدین وقربانی: ۱۴۰ طبع مکتبہ کتاب وسنت ڈسکہ]

اور یہی جسارت محمد جونا گڑھی غیر مقلد نے کی ہے وہ ایام تشریق ذبح والی ضعیف روایت درج کر کے لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ بقرہ عید کے مہینے میں قربانی تیرہویں تاریخ تک ہے لیکن

حنفی مذہب اس کا منکر ہے۔'' [شمع محمدی: ۸۴]

آلِ غیر مقلدیت کی طرف سے احناف پر مذکورہ بالا الزام لگانا سینہ زوری ہے۔ اگر ان کے اس الزام کو درست مان لیا جائے تو زبیر علی زئی، غلام مصطفیٰ ظہیر اور فاروق رفیع وغیرہم مخالف حدیث اور منکر حدیث ثابت ہوتے ہیں۔ کیوں کہ وہ بھی تین دن قربانی کا جواز مانتے ہیں، چوتھے دن قربانی کرنا جائز نہیں سمجھتے۔

۵- علی زئی صاحب نے تسلیم کر لیا چار دن قربانی کا مسئلہ حدیثِ نبوی سے ثابت نہیں، یہ کسی کا اجتہاد ہے۔ اور جو مجتہد کے قول کو حدیث کا نام دے علی زئی کے ہاں اس کا کیا مقام ہے ملاحظہ فرمائیں۔

علی زئی نے لکھا:

''محمود حسن دیوبندی پر کئی طرح کی جروح مفسرہ ثابت ہیں... جروح مفسرہ کے چند حوالے درج ذیل ہیں... محمود حسن دیوبندی نے کہا: '' کیوں کہ قول مجتہد بھی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شمار ہوتا ہے۔'' [علمی مقالات: ۳۶۲/۵]

تین دن قربانی کو حدیث کا مسئلہ کہنے والے علی زئی اُصولوں کی رُو سے جرح مفسر کے ساتھ مجروح یعنی سخت ضعیف ثابت ہوتے ہیں۔

تنبیہ: بندہ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ پر کئے گئے علی زئی کے مذکورہ اعتراض کا جواب اپنی اسی کتاب ''زبیر علی زئی کا تعاقب'' میں اپنے مقام پر دے دیا ہے۔

۶- محمد جونا گڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سنئے جناب! بزرگوں کی، مجتہدوں اور اماموں کی رائے، قیاس، اجتہاد و استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے بغیر وحی الٰہی کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں۔'' [طریق محمدی: ۷۰ طبع اہلِ حدیث اکیڈمی مئوناتھ بھنجن یوپی]

اس کتاب پر تقریظ غیر مقلدین کے ''فضیلۃ الشیخ'' صفی الرحمٰن مبارک پوری کی ہے۔

غیر مقلدین کے ہاں جب بغیر وحی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی حجت نہیں تو ان کے مولویوں کی رائے (یا بقول علی زئی ان کا اجتہاد) کیسے حجت ہے؟

علی زئی کی کتاب'' نور العینین ''پر تقریظ لکھنے والے عبد اللہ دامانوی غیر مقلد نے لکھا:

''مقام غور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشات اور رائے کی پیروی بھی لازم نہ آئے تو پھر کسی اور شخص یا امام کی ذاتی ''آراء'' کس طرح دین بن سکتی ہیں۔'' [تقریظ: نور العینین :۲۱]

جب غیر مقلدین کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کی پیروی کرنا لازم نہیں اور وہ دین

نہیں تو غیر مقلدین کی رائے یا ان کے بقول علمائے اہلِ حدیث کا اجتہاد کیوں کر دین ہوگا؟ اور علی زئی نے ’’فریقین کے درمیان اُصولی اختلاف نہیں بلکہ اجتہادی اختلاف ہے۔‘‘ کہہ کر کیا تیر مار لیا؟

۷- علی زئی کے ہاں آلِ غیر مقلدیت کا چار دن قربانی والا موقف نہ تو حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے۔ اس لیے وہ غیر صحابی امتی کے اجتہاد کی چھتری تلے انہیں پناہ دے رہے ہیں مگر پناہ کیسے ملے گی جب کہ علی زئی صاحب خود لکھ چکے ہیں کہ تین دن قربانی کے سلسلے میں صحابۂ کرام کو بعد والوں پر ترجیح حاصل ہے، جیسا کہ حاشیہ: ۵۹۹ر میں منقول ہوا۔

۸- یہاں علی زئی کی ایک اور عبارت بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔ وہ لکھتے ہیں:

’’صحابہ کرام کا یہ اجتہاد ... فقہاء کے اجتہادات سے ہزار گنا بہتر ہے۔‘‘ [علمی مقالات: ۱۸۵]

علی زئی نے اقرار کیا کہ صحابہ کرام تین دن قربانی کے قائل ہیں اور یہ بھی کہا کہ غیر مقلدین کا چار دن قربانی والا موقف اجتہادی ہے۔ اس لیے ان کی مذکورہ عبارت کی مثل انہی کو لوٹاتے ہوئے کہتے ہیں:

صحابہ کرام کا یہ موقف ... غیر مقلدین کے مزعومہ اجتہادات سے ہزار گنا بہتر ہے۔

۶۰۵ ’’رب نواز دیوبندی نے سوال لکھا ہے۔‘‘

علی زئی اور ان کے شاگرد غلام مصطفیٰ ظہیر نے اپنی اپنی تحریروں میں لکھا کہ چار دن قربانی کی دلیل ایام تشریق ذبح والی روایت منقطع ہے۔ اور دونوں نے یہ بھی لکھا کہ منقطع روایت سے وہی استدلال کرتا ہے جو خود منقطع ہو۔ اس لیے میں نے اپنے ایک مختصر مضمون ’’علی زئی اور ظہیر سے ایک سوال‘‘ میں ان کی عبارتیں نقل کر کے لکھا تھا:

’’اب سوال یہ ہے کہ ایام تشریق والی روایت پیش کرنے، اس پر فتویٰ دینے اور استدلال کرنے والی بے شمار آلِ غیر مقلدیت کی شخصیات ضعیف ہیں؟ اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ منقطع ہونے سے مراد منقطع النسب ہے یا کچھ اور؟

۶۰۶

’’مراد منقطع النسب ہے یا کچھ اور؟‘‘ اس کے بعد یہ جملہ تھا: ’’کیوں کہ متکلم اپنی مراد کو خود واضح کر دے تو اچھا ہوتا ہے۔‘‘

۶۰۷

علی زئی نے لکھا: ’’مذکورہ علماء [آلِ غیر مقلدیت (ناقل)] نے روایات و آثار کو مد نظر رکھتے ہوئے [قربانی کے چار دن کا (ناقل)] جو موقف اختیار کیا ہے وہ ہمارے نزدیک مرجوح ہے۔‘‘

یہاں انہوں نے ’’مرجوح‘‘ لکھا ورنہ ان کا معمول تھا کہ وہ مخالف پہلو کو ’’باطل ومردود‘‘ کہا کرتے تھے جیسا کہ ان کی کتب کا مطالعہ رکھنے والے جانتے ہیں اور بعض غیر مقلدین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً سید کلیم حسین شاہ بخاری لکھتے ہیں:

’’یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اہلِ حدیث حلقوں میں شیخ [زبیر علی زئی (ناقل)] رحمہ اللہ کے منہجی مزاج کی شدت مشہور تھی ... مثلاً الحدیث کے ابتدائی شماروں میں نماز جنازہ اور عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کے حوالے سے شیخ کا ایک مضمون شائع ہوا، جس میں متقدمین سلف کے مقابلے میں متاخرین مثلاً شیخ عبد الرحمٰن محدث مبارک پوری رحمہ اللہ صاحب تحفۃ الاحوذی کے موقف کے بارے میں شیخ رحمہ اللہ کی رائے تھی کہ ان کا موقف باطل اور مردود ہے۔‘‘

[ماہ نامہ اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص زبیر علی زئی: ۵۵۲]

بہر حال علی زئی نے یہاں اگرچہ باطل ومردود کی بجائے مرجوح کہا، پھر بھی غنیمت ہے کہ ان کے حلقہ میں ’’محدث العصر‘‘ کہلائے جانے والے مصنف نے علی الاعلان چار دن قربانی کے موقف کو مرجوح تسلیم کرلیا۔ علی زئی کے بعد ان کے شاگرد غلام مصطفیٰ ظہیر غیر مقلد نے اس مسئلہ میں آلِ غیر مقلدیت کے موقف کو ٹھکرا کر تین دن والا موقف اختیار کیا، پھر فاروق رفیع غیر مقلد نے بھی تین دن والے مسلک کو قرآن اور جمہور صحابہ کرام سے ثابت بتایا۔ بعض دیگر غیر مقلدوں نے بھی چار دن قربانی والے موقف کی تردید میں قلم کو حرکت دی ہے۔ حاصل یہ کہ علی زئی، ظہیر اور رفیع نے چار دن والے موقف کی تردید اور تین دن والے مسلک کا اثبات کر کے عام غیر مقلدین کی رائے کو جھٹک دیا ہے۔

۶۰۸

علی زئی کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہوگا کہ وہ مقلدین کی تردید کرتے ہوئے انہیں مخالف حدیث کہتے ہیں اور جب بات اپنے غیر مقلدین کی ہو تو انہیں مجتہد کا درجہ دے کر ’’یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔‘‘ کا جملہ لکھ دیتے ہیں۔

غیر مقلدین نے ائمہ کے متعلق کئی مرتبہ کہا کہ چوں کہ وہ معصوم نہیں اس لیے ان کی رائے حجت نہیں۔ جیسا کہ تقلید کے خلاف لکھی گئی کتابوں میں مذکور ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ غیر مقلدین بھی معصوم نہیں ان کی رائے یا بزعم خود ان کا اجتہاد کیوں کر حجت ہے؟

اور غیر مقلدین نے یوں بھی لکھ دیا:

’’اپنے بنائے ہوئے امام کی بات اُن کا قول وفعل سرے سے ’’حجت شرعی‘‘ نہیں۔‘‘

[مقالات الحدیث: ۹۵]

مقالات الحدیث کے مندرجات علی زئی کے اتفاق اور نظر ثانی سے شائع ہوئے ہیں۔

جب ائمہ اربعہ کا قول و فعل حجت نہیں تو غیر مقلدین کا قول و فعل (جسے علی زئی اجتہاد کا نام دے رہے) قابل عمل کیوں ہے؟ آخر ان کے عوام کس بنیاد پر اپنے مولویوں کے قول و فعل (بقول علی زئی اجتہاد) کو اپنے لئے قابل عمل سمجھتے ہیں۔

محمد جونا گڑھی غیر مقلد ''سیدنا فاروق (رضی اللہ عنہ) کی سمجھ کا معتبر نہ ہونا'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''روایت عمر سچی ہے لیکن درایت (سمجھ) صحیح نہ تھی۔'' [شمع محمدی: ۲۲، ناشر ادارہ قرآن و حدیث کراچی]

جب تمہارے ہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد کی سمجھ معتبر نہیں تو تمہاری رائے کی کیا اوقات ہے کہ تم اسے اجتہاد کا نام دے کر عوام کو اس پہ چلاتے رہو۔

علی زئی صاحب کے استاد گرامی بدیع الدین راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اختیار نہیں تو دوسروں کو اپنی رائے یا قیاس استعمال کرنے کا کیا حق ہے۔'' [تنقید سدید: ۱۳۲]

ہم یہی جملہ ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اختیار نہیں تو دوسروں (غیر مقلدوں) کو اپنی رائے یا قیاس استعمال کرنے کا کیا حق ہے؟'' غیر مقلدین کو واپس کرتے ہیں۔

راشدی صاحب نے مزید لکھا:

''قیاس و رائے قابل اعتماد نہیں اور ظاہر ہے کہ جو خطا کا محتمل ہو اس پر عمل کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔'' [تنقید سدید: ۳۷۹]

مطلع صاف ہے کہ غیر مقلدین کے مزعومہ اجتہاد میں بھی خطاء کا احتمال یقیناً ہے اور علی زئی صاحب وغیرہ اسے خطاء تسلیم کر بھی چکے ہیں تو اس پر عمل کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ جب بات یوں ہی ہے تو وہ کیوں مزعومہ اجتہاد پر چلتے اور چلاتے ہیں؟

عبداللہ دامانوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اتباع صرف اس کی ہے جو رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا کسی اور کی اتباع ممنوع ہے۔'' [عذابِ قبر کی حقیقت: ۲۵]

غیر مقلدین کی رائے / ان کا مزعومہ اجتہاد چوں کہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں اس لیے اس کی اتباع بھی ان کے اصول میں ممنوع ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اپنا مزعوم اجتہاد کیوں کرتے ہیں اور پھر

ان کے عوام اس پر عمل کس دلیل سے جائز سمجھتے ہیں؟

میں اپنی اسی کتاب میں غیر مقلدین کے حوالے نقل کر چکا ہوں کہ ان کے نزدیک صرف اور صرف قرآن وحدیث حجت ہے تیسری اور چوتھی چیز: اجماع، قیاس اور اجتہاد حجت نہیں۔ لیکن بہ اعتراف علی زئی چار دن قربانی کے حوالے سے غیر مقلدین کے پاس کوئی حدیث نہیں وہ اپنے مزعوم اجتہاد پر چل رہے اور عوام کو بھی چلا رہے ہیں۔

۶۰۹

علی زئی نے ایام تشریح ذبح والی روایت کے متعلق کہا: ''انہوں نے روایت مذکورہ کو صحیح سمجھ کر اس سے استدلال کیا'' علی زئی کے ہاں یہ روایت ضعیف ہے اور جو روایت ان کے ہاں ضعیف ہو اسے کوئی صحیح قرار دے تو وہ اسے ''بہت بڑا جھوٹ'' نام دیتے ہیں، دیکھئے حاشیہ: ۶۰۰۔ مگر چوں کہ یہاں معاملہ اپنے غیر مقلدین کا تھا اس لئے انہیں بہت بڑا جھوٹا کہنے کی بجائے ناکام دفاع کرنا شروع کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ روایت کو صحیح سمجھنا کافی ہے یا واقعۃً اور حقیقۃً اس کا صحیح ہونا ضروری ہے؟ اور یہ بھی بتایا جائے کہ جن احادیث کو احناف صحیح سمجھتے ہیں وہاں آپ یوں کہنے کو تیار ہیں کہ چوں کہ ان احادیث کو احناف نے صحیح سمجھا ہے، لہٰذا اُنہیں ان پر عمل کا حق ہے؟

۶۱۰

علی زئی نے کہا ایام تشریق ذبح والی روایت کو غیر مقلدین نے کسی صحیح صریح دلیل کے خلاف پیش نہیں کیا۔ حالاں کہ یہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود بخاری میں درج حدیث نبوی/حدیث ادخار کے خلاف ہے۔ خود علی زئی نے حدیثِ ادخار کو تین دن قربانی کے دلائل میں ذکر کیا ہے جیسا کہ حاشیہ: ۵۹۸/ میں گذر چکا۔

علی زئی کا اصول ہے اگر کوئی بات بعض صحابہ کرام سے ثابت ہو اور اس کے خلاف کسی صحابی سے کچھ منقول نہ ہو تو یہ اجماعی مسئلہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ وہ بزعمِ خود بعض صحابہ کرام کا عمل نقل کر کے لکھتے ہیں:

''اس کے خلاف کسی صحابی سے کچھ ثابت نہیں، لہٰذا یہ اجماع ہے۔'' [علمی مقالات: ۳۴۹/۶]

علی زئی کو اعتراف ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام سے قربانی کے صرف تین دن ثابت ہیں اور یوں بھی اقرار کیا:

''صحابہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی قربانی کے چار دن ثابت نہیں۔'' [علمی مقالات: ۳۴۵/۴]

لہٰذا علی زئی اُصول کے مطابق صرف تین دن قربانی کے جواز پر اجماع صحابہ ہوا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ چار دن قربانی والی ضعیف روایت اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے اور علی زئی یہ بھی لکھ چکے کہ اجماع کی حیثیت حدیث سے زیادہ ہے۔

چنانچہ انہوں نے تاویل مختلف الحدیث: ۱۷۶ سے امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''ہمارے نزدیک روایت سے زیادہ، اجماع سے حق ثابت ہوتا ہے، کیوں حدیث پر سہو اور غفلت کا اعتراض ہوسکتا ہے، شبہات، تاویلات اور ناسخ منسوخ کا احتمال ہوتا ہے اور یہ بھی (کہا جاسکتا ہے) کہ ثقہ نے غیر ثقہ سے لیا تھا...اور اجماع ان باتوں سے محفوظ ہے۔'' [علمی مقالات: ۹۶/۵]

نیز تین دن قربانی کے ثبوت پر صحابہ کرام کے اقوال صحیح سندوں سے ثابت ہیں جب کہ آلِ غیر مقلدیت ان کے مقابلہ میں ضعیف یا بے سند اقوال قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بلکہ علی زئی کے خلاف بھی پیش کئے اور انہوں نے اس کا رَد بھی لکھا۔

چنانچہ علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب [شریف شاکر غیر مقلد (ناقل)] نے لکھا: ایام قربانی عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن ہیں: اس کے قائل حضرت علیؓ ہیں اور یہی مذہب ....'' ...مؤدبانہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ بات کس کتاب میں صحیح یا حسن سند کے ساتھ مذکور ہے؟ حوالہ پیش کریں۔! حافظ ابن القیم اور علامہ نووی کے اقوال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک اپنے اقوالِ منقولہ کی کوئی صحیح متصل یا حسن سند پیش نہیں کی اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے حافظ ابن القیم اور علامہ نووی کے بے سند حوالوں کی بنیاد پر یہ بات لکھ دی ہے کہ ''موصوف [علی زئی (ناقل)] نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تین دن قربانی والا قول تو نقل کر دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چار دن والا درج ذیل قول کیوں کر مفقود نظر رہا؟؟'' عرض ہے کہ مفقود کی بات تو بعد میں ہوگی، پہلے آپ اس قول کی صحیح یا حسن سند پیش تو فرمادیں!'' [علمی مقالات: ۱۶۱/۳]

علی زئی آگے لکھتے ہیں:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ (وھو حسن) اگر اس کے مقابلے میں آپ کے پاس کوئی صحیح سند ہے تو وہ پیش کریں اور اگر صحیح نہیں ہے تو حسن پیش کریں اور اگر کوئی متصل سند ہے ہی نہیں تو پھر حسن سے نامعلوم صحیح (؟) کو ٹکرانا غلط ہے... پروفیسر صاحب نے علامہ قرطبی کے حوالے سے نقل کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک چار دن ہیں...عرض ہے کہ یہ دوسرا قول بے سند ہونے

کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے، لہٰذا معارضہ کیسا؟؟ صحیح سند کے مقابلے میں بے سند اقوال پیش کرنے کا آخر فائدہ کیا ہے؟... ڈاکٹر صاحب نے شوکانی یمنی کے حوالے سے لکھا ہے: ''عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ایام معدودات چار دن ہیں ...'' ...عرض ہے کہ یہ بے سند قول امام احکام القرآن للطحاوی (۲/۲۰۵، وسندہ حسن) کی اس روایت کے مقابلے میں مردود ہے، جس میں آیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔ (دیکھئے الحدیث حضرو: ۴۴ص ۱۰) ... بے سند اقوال والے اس مضمون کے آخر میں پروفیسر صاحب نے لکھا ہے: ''یہ موصوف [علی زئی (ناقل)] ہی بتا سکتے ہیں کہ جمہور صحابہ میں کون کون سے صحابہ کرام شامل ہیں؟ ...عرض ہے کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ (صحابی صغیر) کے اثر کے مقابلے میں اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا انس مالک رضی اللہ عنہ کے آثار جمہور صحابہ کے آثار نہیں ہیں تو پھر جمہور سے کیا مراد ہے؟'' [علمی مقالات: ۳/۲۶۳]

علی زئی نے تسلیم کر لیا ہے کہ چار دن قربانی کا موقف رکھنے والے آلِ غیر مقلدیت صحیح سند والے آثار کے مقابلے میں بے سند یا ضعیف سند والے اقوال پیش کیا کرتے ہیں۔

بے سند اقوال پیش کرنے والوں کا علی زئی کے ہاں کیا مقام ہے؟ وہ بھی پڑھ لیں:

''عرض ہے کہ پورا زور لگا کر اس بے سند روایت کی سند کہیں سے تلاش کر کے پیش کر دیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو لوگوں کے سامنے اعلانیہ توبہ کریں۔'' [مقالات: ۵/۵۲۰]

علی زئی مزید لکھتے ہیں:

''بے سند اقوال موضوع روایات سے بھی نچلا درجہ رکھتے ہیں اور سرے سے مردود ہوتے ہیں۔ بے سند اور جھوٹے اقوال وہی لوگ پیش کرتے ہیں جو بذاتِ خود انتہائی خطرناک قسم کے جھوٹے اور بے سند ہوتے ہیں۔'' [مقالات الحدیث: ۱۱۸]

چار دن قربانی کے اثبات میں بے سند اقوال پیش کرنے والے غیر مقلدین کا مقام یہیں سے معلوم ہو گیا۔

علی زئی کے شاگرد غلام مصطفیٰ ظہیر غیر مقلد نے لکھا:

''صحیح احادیث کے مقابلہ میں منقطع روایت سے حجت پکڑنا انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔'' [آٹھ رکعات نماز تراویح ہی سنت ہے: ۱۱]

سوال یہ ہے کہ صحیح کے مقابلہ میں منقطع سے حجت پکڑنا جب انصاف کا خون کرنا ہے تو جو آلِ غیر مقلدیت صحیح آثار کے مقابلہ میں بے سند آثار پیش کرتے ہیں وہ تو انصاف کا خون کرنے سے بھی بڑے

جرم کے مرتکب ہوئے؟

۶۱۱ علی زئی نے لکھا:''اور نہ کسی دوغلی پالیسی کا ارتکاب کیا ہے۔''

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ منقطع روایت ضعیف ہوتی ہے اور اس منقطع سند والی روایت سے نہ صرف استدلال کیا بلکہ اسے مدار بنا کر دوسروں کو مخالف حدیث بھی کہا۔

مزید یہ کہ ایک طرف تو روپڑی صاحب کہتے ہیں:

''ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ ذرا سے سہارے پر ثقوں میں شمار کر لیتے ہیں۔''

[فتاویٰ اہلِ حدیث:۵۰۸/۲]

دوسری طرف ابن حبان کی تصحیح کا سہارا لے کر ایام تشریق ذبح والی روایت کو صحیح باور کرا رہے ہیں جب کہ اس کی سند میں مذکور ایک راوی ابن ابی حسین کی سیدنا جبیر بن مطعم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اور یہی راوی مجہول الحال بھی ہے۔ اس طرزِ عمل کو آپ کیا نام دیں گے؟

حاشیہ: ۵۰۷/ وغیرہ میں غیر مقلدین کی زبانی ان کے دوغلہ ہونے کی عبارات نقل کر دی ہیں ایک حوالہ یہاں بھی ملاحظہ ہو۔

محمد یوسف انور غیر مقلد نے اپنے انٹرویو میں کہا:

''اس سے قبل جماعت غرباء موجود تھی لیکن ان کا نظریہ اسلامی حکومت کی مانند امامتِ کبری کا تھا۔ یہیں سے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ مولانا احمد دین گکھڑوی [غیر مقلد (ناقل)] نے ایک دفعہ ان سے کہا کہ اگر آپ کی امامت شرعی ہے تو آپ حدود وقصاص کا نظام جاری کریں۔ اس پر غرباء کے امام کہنے لگے: ہم ابھی مکی دَور میں ہیں۔ مولانا نے فرمایا: آپ کی امامت بڑی سیانی ہے۔ حدود کے معاملے میں مکی ہے جب کہ زکوۃ جمع کرنے کے لیے مدنی ہے۔'' [مجلّہ تفہیم الاسلام احمد پور شرقیہ: فروری ۲۰۱۹ء:۲۸] (جاری ہے۔) ☆☆

اعلان

علی زئی نے ایک عبارت نقل کی کہ احناف کے ہاں خیر القرون کے راویوں کا ارسال، انقطاع، تدلیس یا جہالت کوئی جرح نہیں ہے۔

بندہ نے مجلّہ صفدر شمارہ 137-138 (جولائی، اگست ۲۰۲۲ء) اپنے مضمون ''علی زئی جواب پر ایک نظر'' قسط:۱۲/ میں اس پہ جو تبصرہ کیا اسے کالعدم سمجھیں۔ اس کے متبادل تبصرہ یہ ہے کہ ''ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' والا جملہ راوی کا تفرد ہے۔ دلیل کے لیے حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ کی کتاب ''قربانی کے صرف تین دن ہیں۔'' دیکھیے۔ رب نواز عفی عنہ

مولانا مفتی محمد طارق محمود [مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور]

علوم القرآن کا اِجمالی تعارف

قرآن مجید دینی علوم کا سرچشمہ اور اَساس ہے۔اس کے معانی کو صحیح طور پر سمجھنے کے اُصول وضوابط مستقل علم کے طور پر مدون ہیں۔اسے علوم القرآن یا اُصول التفسیر کہتے ہیں۔زیرِنظر مقالے میں علوم القرآن کا ایک بنیادی خاکہ پیش خدمت ہے۔اِسے ضبط کر لینے سے امید ہے کہ اِس فن کی تفصیلات سمجھنا آسان ہو جائے گا۔اور کلام باری تعالی کی تفسیر کی اُصولی بنیادیں سامنے آجائیں گی۔اِس مضمون کا بنیادی ماخذ شیخ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ - ۹۱۱ھ) رحمہ اللہ کی **الاتقان فی علوم القرآن** ہے۔اِس کتاب میں علوم القرآن کی ۸۰/اَنواع ذکر کی گئی ہیں۔اِس کے علاوہ کسی کتاب سے جو بات نقل کی گئی ہے اُس کا حوالہ ذکر کر دیا ہے، اِلا یہ کہ تشریح کے لیے کہیں کوئی جملہ بڑھایا ہو۔

قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں بالاتفاق اللہ تعالی کی طرف سے وحی کیے ہوئے ہیں۔ اَحادیث قدسیہ کے بارے میں بھی مشہور قول یہی ہے کہ ان کے الفاظ بھی اللہ تعالی کی طرف سے ہیں۔ (حدیث قدسی اُسے کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کا ارشاد نقل فرمائیں)۔البتہ اَحادیث نبویہ کے صرف معنی وحی ہیں۔الفاظ رسول اللہ ﷺ کے اپنے ہیں۔اور جو اَحادیث آپ ﷺ نے اپنے اِجتہاد سے اِرشاد فرمائیں اُن کے معنی اور اَلفاظ دونوں حضور ﷺ کے ہیں۔(مناہل العرفان :۱/۵۰، ۵۱ ملخصا)

۱: **معرفة المکی والمدنی** (مکی اور مدنی آیتوں کی پہچان) :مکی اور مدنی کے اطلاق میں اہل فن کی تین اصطلاحات ہیں۔۱: زیادہ مشہور یہ ہے کہ مکی وہ ہے جو ہجرت (مدینہ) سے پہلے نازل ہوئی، اور مدنی وہ ہے جو ہجرت (مدینہ) کے بعد نازل ہوئی، چاہے مکہ میں نازل ہوئی یا مدینہ میں نازل ہوئی۔۲: مکی وہ ہے جو مکہ میں نازل ہوئی اور مدنی وہ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔اس قول کی رو سے جو آیات سفر میں نازل ہوئیں وہ نہ مکی ہیں، اور نہ مدنی۔۳: مکی وہ ہے جس میں اہل مکہ کو خطاب ہے، اور مدنی وہ ہے جس میں اہل مدینہ کو خطاب ہے۔مکی مدنی ہونے کا علم عموماً صحابہ وتابعین کے اقوال سے ہوتا ہے۔(کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی آیات کی اکثریت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔بعض سورتیں پوری کی پوری مکی ہیں جیسے سورۂ مدثر۔اور بعض سورتیں پوری کی پوری مدنی ہیں جیسے سورہ آل عمران۔علوم القرآن :۶۱، حضرت مفتی تقی عثمانی، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط:۱۴۲۶ھ)

مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین اور اُسلوب بیان میں بھی حسب مقتضی الحال فرق ہے۔ جیسے مثلا مکی سورتیں عموماً مختصر ہیں اور مدنی سورتیں مفصل ہیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین ہیں اور مدنی سورتوں میں دیگر احکام۔ مکی سورتوں کا اُسلوب بیان زیادہ پر شکوہ ہے۔ ان میں استعارات، تشبیہات اور تمثیلات زیادہ ہیں، جبکہ مدنی سورتوں کا اُسلوب بیان نسبۃً سادہ ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کے استقراء سے ان کی بعض خصوصیات بھی ذکر کی گئی ہیں جن سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ ان میں سے بعض خصوصیات کلی ہیں اور بعض اکثری۔ جیسے مثلاً ایک کلی خصوصیت یہ ہے کہ ہر وہ سورت جس میں **کلا** آیا ہے مکی ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید کے دوسرے نصف میں ۱۵ر سورتوں میں ۳۳ر بار آیا ہے۔ (مصدر سابق: ۶۲-۶۴ ملخصا)

۲: **معرفة الحضری والسفری** (اقامت اور سفر میں نازل ہونے والی آیتوں کی پہچان): قرآن مجید کی اکثر آیات حالت اقامت میں نازل ہوئی ہیں۔ اور کچھ آیات حالت سفر میں۔ (علوم القرآن: ۶۴)۔ شیخ سیوطی نے سفری آیات کی ۴۴ر مثالیں ذکر کی ہیں۔ چنانچہ مثلاً **الیوم اکملت لکم دینکم** (المائدہ: ۳) آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا۔ (موضح قرآن: ۱۳۷، ۱۳۸) یہ آیت یوم عرفہ کی شام کو حجۃ الوداع کے سال نازل ہوئی۔

۳ - ۶: **معرفة النهاری واللیلی والصیفی والشتائی والفراشی والنومی والارضی والسماوی** (دن اور رات، گرمی اور سری، بستر پر اور نیند میں، زمین اور آسمان پر نازل ہونے والی آیات جاننا): قرآن مجید کا اکثر حصہ دن کو نازل ہوا۔ رات میں نازل ہونے والی آیات میں سے مثلاً سورہ آل عمران کی آخری آیات **ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار لآیات لاولی الالباب**۔ (آل عمران: ۱۹۰ - ۲۰۰) آسمان اور زمین کا بنانا، اور رات اور دن کا بدلتے آنا، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔ (موضح قرآن: ۹۶)۔ صیفی آیات کی مثال سورۂ نساء کی آخری آیت **یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکللة**۔ (النساء: ۱۷۶) حکم پوچھتے ہیں تجھ سے کلالہ کا۔ تو کہہ اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔ (موضح قرآن: ۱۳۶) شتائی آیات کی مثال سورہ احزاب کی غزوہ خندق کے بارے میں آیات ہیں، کیونکہ یہ غزوہ سردی میں ہوا تھا۔ فراشی آیت کی مثال **والله یعصمک من الناس** (المائدہ: ۶۷) اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے۔ (موضح قرآن: ۱۵۳) راجح قول کے مطابق نیند کی حالت میں آپ ﷺ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ سمائی آیات کی مثال سورہ بقرہ کی آخری آیات جو شب معراج کو سدرۃ المنتہی کے قریب نازل ہوئیں۔

۷، ۸ : **معرفة اول ما نزل و آخر ما نزل** (پہلی اور آخری نازل ہونے والی آیات) : راجح قول کے مطابق پہلی وحی سورہ علق کی پہلی پانچ آیتیں ہے۔(اور آخری وحی راجح قول کے مطابق **واتقو یوما ترجعون فيه الى الله** (البقرہ:۲۸۱) ہے۔مناہل العرفان: ۱/۱۰۰) اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف۔(موضح فرقان:ص ۶۰)

۹ : **معرفة سبب النزول** : (سبب نزول رشان نزول کی پہچان) : قرآن مجید کی آیتیں دو قسم کی ہیں۔ایک تو وہ ہیں جو اللہ تعالی نے ازخود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ ان کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دوسری قسم وہ جو کسی خاص واقعے یا کسی کے سوال کے جواب میں نازل ہوئیں۔ یہ خاص پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول یا شان نزول کہلاتا ہے۔سبب نزول جاننا تفسیر کے لیے ایک لازمی شرط ہے اور اس کے بغیر آیت کا صحیح مفہوم سمجھا نہیں جا سکتا۔ جیسے مثلاً اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **ليس على الذين آمنوا وعملوا الصالحات جناح فيما طعموا اذا ما اتقوا و آمنو** (المائدہ:۹۳)۔جو لوگ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں ان پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جب کہ وہ لوگ اللہ سے ڈرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں۔اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے لیے کسی بھی چیز کا کھانا پینا حرام نہیں، اگر دل میں ایمان اور خدا کا خوف ہو اور عمل نیک ہوں تو انسان جو چاہے کھا پی سکتا ہے۔لیکن درحقیقت اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب خمر اور قمار کی حرمت کا حکم نازل ہوا، تو بعض صحابہ نے سوال کیا کہ جو مسلمان اپنی زندگی میں شراب نوشی اور قمار بازی کے مرتکب ہوئے، اور حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا، ان کا کیا انجام ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ان پر کوئی عذاب نہیں بشرطیکہ وہ دیگر احکام کے پابند رہے ہوں۔

کتب تفسیر میں ایک ایک آیت کے تحت بہت سی روایات مذکور ہوتی ہیں۔ وہ ساری اسباب نزول سے متعلق نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان میں درج ذیل چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں:

۱: کسی علمی مباحثے میں کسی صحابی نے وہ آیت دلیل کے طور پر پیش کی ہو، اس کا ذکر کرنا۔ ۲: رسول اللہ ﷺ کے کسی موقع پر اس آیت سے استشہاد کرنے کا ذکر کرنا۔ ۳: جو بات کسی آیت میں مذکور ہو بعض دفعہ وہی بات کسی حدیث میں بھی آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہوتی ہے، تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث بھی اس آیت کے تحت ذکر کر دی جاتی ہے۔ ۴: آیت کا مقام نزول ذکر کرنا۔ ۵: آیت میں کسی مبہم شخص کا نام بتانا۔ ۶: کسی آیت کا صحیح تلفظ ذکر کرنا۔ ۷: آیتوں اور سورتوں کے فضائل ذکر کرنا۔ ۸: آیت پر رسول اللہ ﷺ کے عمل کی کیفیت کا ذکر کرنا۔(علوم القرآن: ۲/ ۷۷ - ۸۱ ملخصا)

سبب نزول اور حکم کا عموم وخصوص: اس میں کل ۴ رصورتیں ہوتی ہیں :۱: آیت میں نام لے کر شخص کو معین کر دیا گیا ہو۔ اِس صورت میں بالاتفاق وہ حکم اسی معین شخص سے متعلق ہوتا ہے، دوسروں سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے **تبت یدا ابی لهب وتب** . (اللهب :۱) ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے، اور ٹوٹ گیا وہ آپ ۔(موضح قرآن :۷۸۷، ت: مولانا اخلاق حسین دہلوی، ایچ ایم سعید، کراچی، سنہ ندارد)۔ ۲: آیت میں کسی کا نام مذکور نہ ہو، لیکن آیت کے الفاظ یا کسی دوسری دلیل سے ثابت ہو کہ اِس کا تعلق فلاں معین شخص سے ہے۔ اِس میں بھی بالاتفاق حکم اُسی خاص شخص سے متعلق ہوگا۔ دوسروں سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔ جیسے **وسیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکی.** (اللیل:۱۷، ۱۸) اور بچادیں گے اس سے بڑے ڈرنے والے کو۔ جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو۔(موضح فرقان:۷۹۴)۔ یہاں روایات حدیث سے ثابت ہے کہ اتقی سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ امام رازی نے اس آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: **ان اکرمکم عند الله اتقکم.** (الحجرات:۱۳) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (بیان القرآن:۳/۱۹۴۴)۔ اور پہلی آیت میں حضرت ابوبکر صدیق کو اتقی کہا گیا ہے۔

۳: کسی خاص واقعے کے بارے میں حکم نازل ہو، لیکن حکم کے عموم پر کوئی دلیل پائی گئی، خواہ آیت کے الفاظ سے یا کسی اور دلیل سے، تو یہاں بالاتفاق حکم عام ہوگا۔ جیسے ظہار کا حکم حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوا، لیکن آیت کے الفاظ کے عموم کی وجہ سے بالاتفاق حکم عام ہے۔ ۴: کسی خاص واقعے کے بارے میں حکم نازل ہو، الفاظ عام ہوں، لیکن کسی دلیل سے صراحتا ثابت نہ ہو کہ حکم میں عموم ہے یا خصوص؟ اس صورت میں کسی قدر اختلاف ہے، لیکن جمہور علماء کے ہاں حکم عام ہی سمجھا جائے گا۔ اُصولیین اور مفسرین کے ہاں اس موقعے پر یہ قاعدہ ہے: **العبرة لعموم اللفظ ، لا لخصوص السبب.** اس کی مثال یہ آیت ہے: **وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة** (بقرہ:۲۸۰) اور اگر ایک شخص ہے تنگی والا، تو فرصت دینی چاہیے جب تک کشائش پاوے۔(موضح قرآن :ص۶۰) بنومغیرہ نے بنوعمرو سے قرض کی ادائیگی کی مہلت مانگی تھی، بنوعمرو نے انکار کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جمہور علماء کے ہاں یہ حکم عام ہے۔(علوم القرآن:۸۲ - ۸۶ ملخصا)

اسباب نزول کی روایات میں اختلاف کا حل: اسباب نزول کی روایات کا اختلاف، تفسیر کے مشکل مقامات میں سے ایک ہے۔ ایک ہی آیت کے سبب نزول میں کئی کئی مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ اور جو شخص اُصول تفسیر سے واقف نہ ہو وہ اس سے طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس تعارض کے

حل کے لیے مفسرین اور اصولیین کے بیان کیے ہوئے قواعد کا خلاصہ یہ ہے :

ا: رفع تعارض کے لیے اگر ایک روایت میں کوئی وجہ ترجیح پائی جائے تو اسے دوسری پر راجح قرار دے کر اختیار کر لیا جاتا ہے۔ جیسے ایک روایت صحیح ہو دوسری ضعیف ہو تو صحیح کو ترجیح ہوگی۔ دونوں روایتیں صحیح ہوں لیکن ایک کی سنداً قوی ہو، یا ایک کا راوی واقعے کے وقت خود موجود تھا، تو اس روایت کو ترجیح ہوگی۔ صحابہ اور تابعین کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں: **نزلت الآية فى كذا** (یہ آیت فلاں مسئلے کے بارے میں نازل ہوئی)۔ ان الفاظ سے کبھی تو سبب نزول کا بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے، اور کبھی یہ مطلوب ہوتا ہے کہ فلاں مسئلہ اس آیت کے حکم کے تحت داخل ہے، اگر چہ وہ اس کا سبب نزول نہیں۔ لہٰذا یہ الفاظ سبب نزول کے بیان میں نص نہیں۔ لہٰذا اگر ایک روایت میں یہ الفاظ ہوں اور دوسری روایت میں صراحتاً کسی اور واقعے کو آیت کا سبب نزول قرار دیا گیا ہو، تو دوسری روایت راجح ہوگی اور پہلی روایت کو راوی کا اجتہاد و استنباط سمجھا جائے گا۔ اور اگر دونوں روایتوں میں **نزلت الآية فى كذا** کے الفاظ ہوں اور الگ الگ واقعات مذکور ہوں تو دونوں میں شان نزول کا بیان نہیں ہوتا، بلکہ آیت کے دو الگ الگ مصداق کا بیان ہوتا ہے۔ ۲: بعض دفعہ ایک آیت کے اسباب نزول متعدد ہوتے ہیں، جن کا ذکر روایات میں الگ الگ ہوتا ہے۔ ۳: بعض دفعہ ایک سبب نزول سے کئی آیات نازل ہوتی ہیں، جن کا ذکر الگ الگ روایات میں ہوتا ہے۔ ۴: بعض دفعہ ایک آیت متعدد دفعہ نازل ہوتی ہے۔ ہر دفعہ اس کا نزول کسی نئے واقعے کے پس منظر میں ہوتا ہے، جن کا ذکر الگ الگ روایات میں ہوتا ہے۔ (علوم القرآن: ۸۶-۹۵ ملخصاً)

سیوطی رحمہ اللہ نے اسے **ما تكرر نزوله** کے عنوان سے الگ نوع کے طور پر بھی ذکر کیا ہے۔

۱۰: **ما نزل على لسان بعض الصحابة** : (جو آیتیں کسی صحابی کے قول پر نازل ہوئیں) : یہ نوع درحقیقت سبب نزول کی ایک قسم ہے۔ اور اس کی اصل موافقات عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالی نے عمر کی زبان اور دل پر حق کو رکھا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو جب کوئی واقعہ پیش آیا اور انھوں نے کوئی بات کی، اور عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی اور بات کی، تو قرآن مجید ہمیشہ عمر کی تائید میں اترا۔ (سنن ترمذی: ۳۶۸۲ /ابراہیم عطوة، حسن صحیح غریب من ہذا الوجہ)

۱۱: **ما تاخر حكمه عن نزوله وما تاخر نزوله عن حكمه** : (جس آیت کا نزول پہلے اور حکم بعد میں ہوا، اور جس آیت کا حکم پہلے اور نزول بعد میں ہوا) : مثال کے طور پر **لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد** (البلد: ۱،۲) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔ (بیان القرآن: ۳/۱۲۶۷)۔ یہ سورت مکی ہے، جب کہ حلت کا اثر فتح مکہ کے دن سامنے آیا۔ آیت

وضو (المائدہ:٦) مدنی ہے جب کہ وضو کا حکم مکہ مکرمہ میں نماز کے ساتھ ہی آچکا تھا۔

۱۲: **ما نزل مفرقا وما نزل جمعا** : (جو آیتیں جدا جدا اتریں اور جو اکٹھی اتریں) :سورہ فاتحہ، اخلاص، کوثر، تبت، نصر وغیرہ یہ پوری پوری سورت اکٹھی اتری ہے۔لمبی سورتوں میں سورہ انعام پوری اکٹھی نازل ہوئی ہے۔

۱۳: **ما نزل مشیعا ومانزل مفردا** : (جن آیتوں کے ساتھ حضرت جبرائیل کے ساتھ دیگر فرشتے بھی نازل ہوئے اور جو آیتیں صرف حضرت جبرائیل لے کر آئے) :جیسے مثلا سورۂ اَنعام کے ساتھ ۷۰،۰۰۰ر فرشتے نازل ہوئے تھے۔

۱٤: **ما نزل علی بعض الانبیاء وما لم ینزل** : (جو آیتیں پہلے بھی کسی نبی پر نازل ہوئی ہیں، اور جو آیتیں صرف ہمارے نبی ﷺ پر ہی نازل ہوئی ہیں) :سورہ فاتحہ، آیت الکرسی، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں وغیرہ صرف ہمارے پیغمبر ﷺ پر ہی نازل ہوئی ہیں۔

۱۵: **کیفیة انزاله** : (قرآن مجید نازل کیے جانے کی کیفیت) :۱:قرآن مجید کے دو نزول ہیں۔پہلا لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں بیت العزت میں اکٹھا نازل ہونا۔یہ رمضان کی ایک رات لیلۃ القدر میں ہوا۔ دوسرا نزول بیت العزت سے آپ ﷺ کے قلب مبارک پر تھوڑا تھوڑا کر کے تقریبا ۲۳ر سال میں۔ ۲:آپ ﷺ پر حسب موقع قرآن مجید کی آیات کم وبیش نازل ہوتی تھیں۔بعض دفعہ آیت کا کچھ حصہ بھی نازل ہوا ہے۔جیسے مثلا **غیر اولی الضرر** (النساء:۹۵) اکیلا نازل ہوا۔جن کو بدن کا نقصان نہیں۔
(موضح قرآن:۱۳۰)

۳:وحی نازل ہونے کے طریقے:۱:صلصلة الجرس: گھنٹیاں بجنے جیسے آواز میں وحی نازل ہونا۔یہ طریقہ آپ ﷺ پر سب طریقوں سے زیادہ بھاری تھا۔۲:فرشتے کا انسانی شکل میں آکر پیغام پہنچانا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام عموماً حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں تشریف لایا کرتے تھے۔اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ اپنے وقت میں صحابہ میں حسین ترین انسان تھے، حتی کہ اپنا چہرہ لپیٹ کر چلا کرتے تھے۔۳:فرشتے کا اصلی شکل میں آنا۔۴:سچا خواب۔۵:اللہ تعالی کا براہ راست کلام فرمانا۔٦:فرشتے کا سامنے آئے بغیر آپ ﷺ کے دل مبارک میں کوئی بات ڈالنا۔علوم القرآن:۳۳ - ۳۹ ملخصاً)

۴:سبعہ اَحرف کی مراد: قرآن مجید ۷ر حروف پر نازل ہوا ہے۔سبعہ اَحرف کی مراد میں تقریباً ۴۰ر اَقوال ہیں۔یہ مقام علوم القرآن کے مشکل ترین مباحث میں سے ہے۔اور اس بارے میں راجح ترین قول یہ ہے کہ سبعہ احرف سے اختلاف قراءات کی ۷ر نوعیتیں مراد ہے۔پھر ان نوعیّتوں کی تعیین میں قدرے

اختلاف ہے۔اس بارے میں سب سے زیادہ جامع استقراء امام ابوالفضل (عبدالرحمٰن بن احمد) رازی (م۴۵۴ھ) کا ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ قراءات کا اختلاف سات قسموں میں بند ہے: ۱: اسماء کا اختلاف۔ یعنی افراد، تثنیہ، جمع، تذکیر و تانیث کا اختلاف۔ ۲: افعال کا اختلاف کہ کسی قراءت میں ماضی ہو، کسی میں مضارع، کسی میں امر۔ ۳: وجوہ اعراب کا اختلاف: یعنی اعراب و حرکات مختلف قراءتوں میں مختلف ہوں۔ ۴: الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف۔ ۵: الفاظ کی تقدیم و تاخیر کا اختلاف۔ ۶: بدلیت کا اختلاف یعنی ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری میں اس کی جگہ دوسرا لفظ۔ ۷: لہجوں کا اختلاف۔ یعنی تفخیم، ترقیق، امالہ، مد، اظہار، اِدغام وغیرہ کے اختلافات۔ (علوم القرآن: ۹۷ - ۱۱۱ ملخصا)۔ سبع قراءات اور سبعہ احرف میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ (العرف الشذی: ۴/۳۲۷ ملخصاً)

۱۶: **اسماءہ واسماء سورہ :** (قرآن مجید اور اس کی سورتوں کے نام) : قرآن مجید کے اسمائے علم ۵/ ہیں۔ القرآن، الفرقان، الذکر، الکتاب، التنزیل۔ اور اگر صفات کو نام قرار دیا جائے تو تعداد نوے سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔ (علوم القرآن: ۲۳ ملخصاً) جاحظ کے بقول اللہ تعالی نے اپنی کتاب کے کل اور اجزاء کے نام اہل عرب کے اپنے کلام کے ناموں سے بالکل مختلف رکھے ہیں۔ وہ دیوان، قصیدہ، بیت اور قافیہ کہتے تھے۔ اور اللہ تعالی نے قرآن، سورت، آیت، اور فاصلہ فرمایا۔ بہت سی سورتوں کا ایک ہی نام ہے۔ اور کچھ سورتوں کے دو یا زیادہ نام بھی ہیں۔ جیسے مثلاً سورۂ فاتحہ کے ۲۰/ سے زیادہ نام ہیں۔ سورۂ فاتحہ کا ایک نام قرآن عظیم بھی ہے۔ کیونکہ یہ پورے قرآن کے مضامین پر مشتمل ہے۔ (یعنی پورے قرآن مجید کے مضامین سورت فاتحہ میں اِجمالاً مذکور ہیں۔ اس طرح سورہ فاتحہ گویا پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اس کی تفصیل نوع ۵۶، ۵۷/ میں آئے گی اِن شاء اللہ)۔ اور جیسے سورہ اخلاص کو اساس بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ توحید پر مشتمل ہے جو کہ دین کی اساس ہے۔ اور جیسے سورت فلق اور ناس کو معوذتان بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان میں مصیبتوں سے حفاظت کا مضمون ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مجھے تورات کی جگہ سبع طوال ملی ہیں۔ زبور کی جگہ مئین ملی ہیں۔ انجیل کی جگہ مثانی ملی ہیں۔ اور مفصل کے ذریعے مجھے مزید فضیلت ملی ہے۔

(مسند احمد: ۱۶۹۸۲/ قال محققو المسند: اسنادہ حسن)

۱۷: **جمعہ وترتیبہ :** (قرآن مجید کا جمع اور ترتیب): قرآن مجید کی ترتیب نزول اور ترتیب تلاوت الگ الگ ہے۔ ترتیب تلاوت میں سب آیات کی ترتیب بالاجماع توقیفی (وحی سے) ہے۔ اور (صحیح قول کے مطابق سب سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی (وحی سے) ہے۔ روح المعانی: ۱/۲۷، ۲۸ ملخصاً) آیات و سور کی

ترتیب اصلی قرار دینے کے لیے ہر رمضان میں جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ سے دور کرتے تھے، اور اخیر رمضان میں دوبار دور کیا تاکہ نزول کی تقدیم و تاخیر کو درست کر کے ہر چیز کو اس کے اصلی موقع پر قائم کر دیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا کیا اور لوح محفوظ کے مطابق قرآن کو کر دیا۔ اس لیے تمام اہل اسلام میں اسی ترتیب سے قرآن اَب تک موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ (تفسیر حقانی: ۱/۱۷۰)

(قرآن مجید کے جمع و ترتیب کے ۳/مرحلے ہیں: ۱: نبی اکرم ﷺ کا زمانہ۔ ۲: حضرت ابوبکر صدیق کا زمانہ۔ ۳: حضرت عثمان غنی کا زمانہ۔

۱: عہد نبوی: شروع میں حفاظت قرآن کا اصل مدار اگرچہ حافظہ پر تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا۔ کتابت وحی کے لیے آپ ﷺ نے بہت سے صحابہ کرام کو مقرر فرمایا ہوا تھا، جو حسب ضرورت یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ کاتبین وحی کی تعداد: ۴۰/ تک شمار کی گئی ہے۔ ان میں خلفائے اربعہ، عبداللہ بن ابی سرح، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ چنانچہ اس طرح لکھ لیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لیے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، اور چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں، اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔

اس طرح عہد رسالت میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت ﷺ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ کتابی شکل میں نہ تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا۔ اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرام بھی اپنی یادداشت کے لیے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ لیتے۔ اور اس طرح ان حضرات نے اپنے پاس انفرادی طور پر بھی قرآن کریم کے مکمل یا نامکمل نسخے لکھ رکھے تھے۔

۲: عہد صدیقی: حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے حافظوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی، تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن مجید کے مختلف حصوں کو اکٹھا کر کے محفوظ کیا جائے۔ حضرت زید بن ثابت جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کاتب وحی رہے ہیں اور خود بھی حافظ قرآن تھے، انھیں حضرت ابوبکر صدیق نے اس کام پر مامور فرمایا۔ اعلان عام کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زید بن ثابت کے پاس لے آئے۔ جب کوئی شخص ان کے

پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ درج ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے: ا: اپنی یادداشت سے۔ ۲: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حافظے سے۔ حضرت ابوبکر نے انھیں حضرت زید کے ساتھ لگا دیا تھا۔ ۳: دو قابل اعتماد گواہوں کی گواہی سے کہ یہ آیت آپ ﷺ پر وفات کے سال پیش کی گئی اور آپ نے تصدیق فرما دی کہ یہ حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ ۴: صحابہ کے پاس لکھے ہوئے تحریری مجموعوں سے مقابلہ۔ اس طرح ہر آیت کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتوں کے بعد ہی اسے صحیفے میں درج کرتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انھیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا۔ لیکن ہر سورت علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا۔ اصطلاح میں اس نسخے کو ''اُم'' کہا جاتا ہے۔ اس کی درج ذیل خصوصیات تھیں:

ا: آیات مرتب تھیں، سورتیں مرتب نہ تھیں، بلکہ الگ الگ صحیفے میں لکھی ہوئی تھیں۔ ۲: ساتوں حروف اس میں جمع تھے۔ ۳: یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔ ۴: اس میں صرف وہ آیتیں لکھی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔ ۵: اس کا مقصد امت کی اجماعی تصدیق سے ایک ایسا نسخہ تیار کرنا تھا جس کی طرف ضرورت پڑنے پر رجوع کیا جا سکے۔

۳: عہد عثمانی: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام بلاد عرب سے نکل کر عجم کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔ مختلف صحابہ کرام نے آں حضرت ﷺ سے قرآن مجید مختلف قراءتوں میں سیکھا تھا اور وہ اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن مجید پڑھاتے تھے۔ اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ اور ان میں یہ بات پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے۔ بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے۔ ان حالات میں حضرت عثمان غنی نے حضرت حفصہ سے وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تیار ہوا تھا۔ اور حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم چار حضرات پر مشتمل ایک جماعت بنائی، اور بعد میں دوسرے کچھ حضرات کو بھی ساتھ ملا کر بارہ حضرات نے کام کیا۔ مصحف عثمانی کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

ا: مصحف عثمانی میں سب سورتوں کو مرتب کر کے ایک ہی صحیفے میں لکھا گیا۔ ۲: آیات کا رسم الخط ایسا رکھا گیا کہ اس میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں۔ اسی لیے ان پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات۔ ۳: نئے مرتب شدہ ۵/یا ۷/مصحف تیار کرا کے مختلف شہروں میں بھجوائے گئے اور سب کو ان کے مطابق تلاوت کا حکم

فرمایا۔اس کے بعد اجماع امت ہے کہ قرآن مجید کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں۔ (علوم القرآن:۳۳-۱۷۳-۱۹۳ملخصاً)

تسہیل تلاوت کے اقدامات: عہد عثمانی میں قرآن مجید کی تدوین کے بعد تلاوت کو آسان کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے۔۱:نقطے اور حرکات لگائی گئیں۔۲:احزاب یا منازل کے نشانات لگائے گئے۔ایک ہفتے میں تلاوت مکمل کرنے کے لیے سات احزاب پر تقسیم کیا گیا۔۳:اخماس اور اعشار کی علامتیں لگائی گئیں۔یعنی ہر پانچ یا دس آیتوں کے بعد حاشیے پر خمس یا خ اور عشر یا ع کا نشان بنایا گیا۔۴:رکوع کی علامات لگائی گئیں۔نماز کی ایک رکعت میں تلاوت کی مقدار معین کرنے کے لیے یہ نشان بنایا گیا ۔۵:رموز اوقاف لگائے گئے۔(علوم القرآن:۱۹۳-۲۰۱ملخصا) رکوع کی علامت کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: **مصطلح الركوع في المصاحف : مدلوله ونشاته واقوال العلماء فيه : د. عبد القيوم بن عبد الغفور السندي.**

۱۸: عدد سوره وآياته وكلماته وحروفه : (قرآن مجید کی سورتوں،آیات،کلمات اور حروف کی تعداد) : قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد ۱۱۴/ ہے بالا جماع۔کلام کے آیت ہونے کا علم توقیفی ہے،اس میں قیاس کو دخل نہیں۔آیات کی تعداد میں سلف کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ آیت بتانے کے لیے رؤوس آیات پر(آیتوں کے اختتام پر)وقف فرماتے تھے۔جب محل معلوم ہوگیا تو آپ وصل فرمانے لگے۔اسے سن کر کوئی یہ سمجھنے لگا کہ یہاں فاصلہ(آیت کا اختتام)نہیں۔اس وجہ سے روایات وقف میں اختلاف کی بنا پر آیتوں کی تعداد میں اختلاف ہوگیا۔امام قراءت ابوسعید قرطبی دانی (م۴۴۴ھ)فرماتے ہیں:قرآن مجید کی آیات کی تعداد ۶۰۰۰/ ہونے پر تو اتفاق ہے۔اور اس سے زائد کتنی ہیں؟ ان میں اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں اتنی ہی ہیں۔دوسرا قول ۲۰۴/ ہے۔تیسرا قول ۱۴/ کا ہے۔چوتھا قول ۱۹/ کا ہے۔پانچواں قول ۲۵/ کا ہے۔چھٹا قول ۳۶/ کا ہے۔اہل مدینہ،مکہ،شام،بصرہ،کوفہ ان سب حضرات قراء کی اپنی اپنی شمار کی ہوئی تعداد ہے۔

قرآن مجید کے کلمات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ایک قول ۷۷،۹۳۴/ کلمات کا ہے۔اور اقوال بھی ہیں۔اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کلمہ کے حقیقی اور مجازی معنی،نیز لفظ اور رسم کے لحاظ سے متعدد اعتبارات ہیں۔ہر اعتبار سے کلمات کو شمار کیا گیا ہے۔حروف کی تعداد میں بھی کلمات کی طرح اختلاف ہے۔ایک قول ۳،۲۳،۶۷۱/ حروف کا ہے۔(اور اس اختلاف کی وجہ بھی شمار کے طریقوں کا اختلاف ہے)

قرآن مجید کو سورتوں میں تقسیم کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ہر سورت کا ایک الگ معجزہ ہونا،اور

اللہ تعالی کی نشانی ہونا معلوم ہو۔ نیز یہ پتہ چلے کہ ہر سورت ایک مستقل ہدایت اور الگ مضمون کی شان رکھتی ہے، جیسے سورہ یوسف ایک خاص واقعے سے متعلق ہے۔ سورۂ توبہ منافقوں کے حالات بتاتی ہے وغیرہ۔ اس کی نظیر مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں میں ابواب اور ان کے عنوانات ہیں۔

۱۹ : **معرفة حفاظه ورواياته** : (قرآن کریم کے حافظوں اور روایتوں کی پہچان) : صحابہ کرام میں ۷/حضرات قرآن مجید پڑھانے میں مشہور ہیں: عثمان، علی، ابی، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء، ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کے سلسلہ تلامذہ میں سے ۷/قراء بہت مشہور ہوئے۔ ابن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوعمرو، حمزہ، عاصم، کسائی۔ انھیں قرائے سبعہ اور ان کی قراءات کو قراءات سبعہ کہتے ہیں۔ ان قراء سبعہ میں سے ہر ایک قاری کے دو دو شاگرد زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کے ساتھ تین اور قراء (ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن قعقاع) کو ملا کر ان کی قراءات کو قراءات عشرہ کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے ان دس کے ساتھ چار اور قراء کی قراءتیں ملا کر چودہ قراءتیں ذکر کی ہیں۔

(علوم القرآن: ۲۰۳ - ۲۰۶، الاتقان: ص ۱۵۹، ۱۶۰ ملخصا)

۲۰ : **معرفة العالي والنازل من اسانيده** : (قرآن مجید کی عالی اور نازل سندوں کی پہچان): سیوطی رحمہ اللہ نے قراءات میں علو اور نزول کی قسمیں حدیث کی سند میں علو اور نزول کے مطابق ذکر کی ہیں۔

۲۱ - ۲۶ : **معرفة المتواتر والمشهور والآحاد والشاذ والموضوع والمدرج** : (قراءات کی قسموں متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع، مدرج کی پہچان) : ابن جزری (محمد بن محمد دمشقی ۷۵۱ - ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں: جو بھی قراءت عربیت کے موافق ہو، اگرچہ ایک وجہ سے ہو، اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کے موافق ہو، اگرچہ احتمالا ہو، اور اس کی سند صحیح ہو تو اس قراءت کو قبول کرنا لازم ہے، اور یہ احرف سبعہ میں شامل ہے۔ چاہے قرائے سبعہ سے ہو یا ان کے علاوہ دیگر ائمہ مقبولین سے ہو۔ اور جب ان تین ارکان میں سے کوئی رکن نہیں پایا جائے گا تو وہ ضعیف یا شاذ یا باطل قراءت ہے، چاہے قرائے سبعہ سے ہو یا ان سے بڑوں سے۔ ائمہ سلف اور خلف کے نزدیک یہی قول درست ہے۔ اور اس میں سلف سے کوئی خلاف منقول نہیں۔ متواتر: جس قراءت کے ناقلین اس حد تک پہنچے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو۔ مشہور: جس قراءت کی سند صحیح ہو، اور حد تواتر تک نہ پہنچے اور وہ عربیت اور رسم کے موافق ہو۔ آحاد: جس کی سند صحیح ہو اور رسم یا عربیت کے مخالف ہو اور مشہور نہ ہو۔ شاذ و موضوع: ان کی سند صحیح نہیں ہوتی۔

مدرج: قراءات میں تفسیر کے طور پر ہونے والا اضافہ۔

اس میں کوئی خلاف نہیں کہ جو کچھ قرآن میں سے ہے وہ متواتر ہی ہے، اپنی اصل اور اجزاء دونوں

لحاظ سے۔اور محققین اہل سنت کے ہاں اپنے محل، وضع اور ترتیب میں بھی متواتر ہے۔(قراءات متواترہ ہی قرآن مجید کا مصداق ہیں۔اور قراءات متواترہ قطعی الثبوت ہیں۔اور مشہور اور آحاد قراءاتیں حدیث کے حکم میں ہیں۔اصول فقہ:۱۳۰،۱۴۱ملخصا، مولانا محمد اسماعیل دہلوی شہید)

۲۷ : **معرفة الوقف والابتداء :** (وقف اور ابتداء کی پہچان) : قرآن مجید کے معانی اور احکام سمجھنا وقف کی پہچان کے بغیر نہیں ہوسکتا۔وقف کی انواع کے بارے میں ائمہ کی اصطلاحات جدا جدا ہیں۔مثلاً بعض کے ہاں تام،حسن اور قبیح ہیں۔بعض کے ہاں تام مختار، کافی جائز، حسن مفہوم، اور قبیح متروک ہیں۔ سجاوندی کے ہاں لازم، مطلق، جائز، مجوز، مرخص ہیں۔(آیات کے اختتام پر وقف توقیفی (سماعی) ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر مقامات پر وقف اجتہادی اور ذوقی ہے۔اختتام آیات پر وقف میں اختلاف کی وجہ روایات کا اختلاف ہے۔وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں، بلکہ بمعنی استحسان موکد ہے۔اسی طرح وقف قبیح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں، بلکہ عدم استحسان ہے۔امداد الفتاوی:۱/۱۹۷ملخصا) وقف کی جگہ سانس توڑے بغیر صرف حرف کو ساکن پڑھ کر آگے پڑھنے لگنا، جیسے اکثر حفاظ کی عادت ہے، یہ شرعاً جائز ہے، یعنی گناہ نہیں، لیکن عربیت وفن قراءت کے خلاف ہے۔(امداد الفتاوی:۱/۲۰۲ملخصاً)

مصاحف پر لگے ہوئے رموز اوقاف میں سے اکثر رموز سب سے پہلے ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی (م۵۶۰ھ) نے وضع فرمائے۔(آسان ترجمہ قرآن: مقدمہ:ص۳۱ بحوالہ النشر فی القراءات العشر :۱/۲۲۵) عربی کلام میں وقف کے کئی طریقے ہیں۔ان میں سے ۹/طریقے ائمہ قراءات کے ہاں استعمال ہوتے ہیں۔سکون، روم، اشمام، ابدال، نقل، ادغام، حذف، اثبات اور الحاق۔وقف کے بارے میں ایک اہم باب وہ مقامات ہیں جو لفظاً ماقبل کے ساتھ موصول ہیں، لیکن معنی مفصول ہیں۔سیوطی رحمہ اللہ نے اسے ایک مستقل نوع کے طور پر ذکر کیا ہے : **النوع التاسع والعشرون فی بیان الموصول لفظا المفصول معنی.**

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے: **رفع الخلاف فی حکم الاوقاف** اس میں قرآن مجید کے اوقاف کے بارے میں قراء کے باہمی اختلاف کی توجیہ وتطبیق ہے۔وقف کے موضوع پر اُردو میں مولانا قاری محبّ الدین احمد لکھنوی کے دو رسالے مطبوع ہیں: جامع الوقف ومعرفۃ الوقوف۔

۲۸ : **الامالة والفتح ومابینهما :** (امالہ اور فتح اور ان کی تفصیلات) : امالہ اور فتح دونوں مشہور لغتیں ہیں جو فصیح اہل لسان کے ہاں شائع ہیں۔فتح اہل حجاز کی لغت ہے اور امالہ عام اہل نجد کی لغت ہے۔امالہ کے معنی ہیں فتحہ کو کسرہ کی طرف، اور الف کو یاء کی طرف جھکا کر پڑھنا۔اور فتح کے معنی ہیں قاری کا حرف ادا کرتے

ہوئے اپنا منہ کھول دینا۔

۲۹ - ۳۱ : الادغام والاظهار والاخفاء والاقلاب والمد والقصر وتخفيف الهمز : (ادغام ،اظہار، اخفاء، اقلاب ، مد، قصر اور ہمزے کی تخفیف) : ادغام کے معنی ہیں حرف کو مشدد پڑھنا۔ اظہار، اخفاء اور اقلاب نون ساکن کی ادائیگی کے خاص طریقے ہیں۔ مد کے معنی ہیں الف ، واو اور یا کو ادا کرتے ہوئے آواز کو لمبا کرنا اور قصر اس کا متضاد ہے۔ ہمزہ بولنے میں چونکہ سب سے زیادہ ثقیل ہے، لہٰذا اہل عرب اس میں کئی قسم کی تخفیف کرتے ہیں۔ اور قریش اور اہل حجاز سب سے زیادہ تخفیف کرتے ہیں۔

۳۲ : كيفية تحمله : (قرآن مجید استاذ سے لینے کی کیفیت) : حفظ قرآن فرض کفایہ ہے، اور تعلیم قرآن بھی فرض کفایہ ہے۔ استاذ سے قرآن مجید لینے کے دو طریقے ہیں۔ استاذ سے سننا، استاذ کو سنانا۔ قرآن مجید پڑھنے کی ۳ ؍کیفیتیں ہیں۔ تحقیق، حدر اور تدویر۔ اور قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنا لازم ہے۔ سلف کا عمل یہ تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت ایک ہی روایت میں مکمل کرتے تھے۔ اس روایت کے ساتھ دوسری روایت نہیں ملاتے تھے۔ پانچویں صدی ہجری میں ایک ختم میں مختلف قراءات جمع کرنے کا طریقہ بنا۔ اور اس کی اجازت صرف اسے دی جاتی تھی جو الگ الگ قراءات اور ان کے طرق میں مہارت حاصل کر چکا ہو، اور ہر قاری کی قراءات کے مطابق الگ ختم کر چکا ہو۔

۳۳ : آداب تلاوته وتاليه : (تلاوت اور تلاوت کرنے والے کے آداب) : تلاوت کے آداب بہت ہیں، لیکن درج ذیل طریقے میں سب آجاتے ہیں: ا: جب تلاوت کا ارادہ ہو تو وضو کر کے قبلہ رو ہو کر بیٹھے، ورنہ جیسے موقع ہو خشوع کے ساتھ بیٹھے۔ ۲: یہ تصور کرے کہ اللہ تعالی نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ ہمیں پڑھ کر سناؤ۔ ۳: یہ تصور کرے کہ اگر کوئی مخلوق مجھ سے ایسی فرمائشیں کرتی تو میں کیسا پڑھتا؟ تو خدا تعالی کی فرمائشیں تو زیادہ رعایت چاہیے۔ اس کے بعد تلاوت شروع کرے۔ (اصلاح انقلاب امت: ۱؍۵۲، ۵۳)

قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا افضل ہے یا حفظ پڑھنا؟ یہ مختلف اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ جس کا خشوع اور تدبر دونوں حالتوں میں برابر ہو اس کے لیے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ اور جسے حفظ پڑھنے سے خشوع اور تدبر زیادہ ہو اس کے لیے زبانی پڑھنا افضل ہے۔ تلاوت کا سب سے افضل وقت نماز ہے، اس کے بعد رات، پھر رات کا آخری نصف، اور دن کا سب سے افضل حصہ صبح کے بعد ہے۔ دنوں کے لحاظ سے تلاوت کے لیے سب سے افضل یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) ہے۔ اس کے بعد جمعہ کا دن، پھر پیر اور جمعرات کا دن ہے۔ اور عشروں کے لحاظ سے رمضان کا آخری عشرہ اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ افضل ہے۔ اور مہینوں کے لحاظ سے تلاوت کے لیے رمضان سب سے افضل ہے۔ اور تلاوت (کے دور) کا آغاز جمعہ کی

رات کو ہونا چاہیے اور اختتام بھی جمعرات کی رات کو۔ اور بہتر یہ ہے کہ ختم دن کے شروع حصے یا رات کے شروع حصے میں ہو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تلاوت رات کے شروع حصے میں ختم ہو تو صبح تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اور اگر دن کے شروع حصے میں تلاوت پوری ہو تو رات تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔

(سنن دارمی: ۳۵۲۶، قال ابو محمد: ھذا حسن عن سعد، ۳۵۲۰، ۳۵۲۱)

یوں کہنا مکروہ ہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فلاں آیت مجھے بھلا دی گئی۔ حدیث شریف میں ایسے کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۳۹ رفؤاد)۔ ائمہ ثلاثہ تلاوت کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل ہیں، برخلاف شافعیہ کے۔

۳٤ : **معرفة غريب القرآن** : (غریب القرآن کی پہچان) : ابوحیان اندلسی (م ۷۴۵ھ) کہتے ہیں: قرآن مجید کی لغات (کلمات) دو قسم ہیں: ایک وہ جنھیں سب اہل لغت جانتے ہیں جیسے: ارض، سماء وغیرہ۔ اور دوسری وہ جنھیں صرف ماہرین لغت جانتے ہیں۔ اکثر علماء نے اس موضوع پر لکھا ہے اور اسے غریب القرآن کہا ہے۔ (تحفة الاريب بمافى القرآن من الغريب: ۱ر۴۰)۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) رحمہ اللہ تعالی کا رسالہ **فتح الخبير بما لا بد من حفظه فى علم التفسير** اسی موضوع پر ہے۔ الفوز الکبیر کے ساتھ الباب الخامس کے طور پر مطبوع ہے۔

نافع بن ازرق خارجی (م ۶۵ھ) نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے غریب القرآن سے متعلق تقریباً ۲۰۰ رسوالات کیے تھے۔ اور اہل عرب کے کلام سے ان کے معانی کے دلائل بھی پوچھے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سب کے جوابات مع استشہادات دیے تھے۔ انھیں مسائل نافع بن ازرق کہتے ہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ نے انھیں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

۳۵ : **ماوقع فيه بغير لغة الحجاز** : (قرآن مجید میں غیر حجازی لغت کے الفاظ) : ابوبکر واسطی (محمد بن موسی فرغانی رمتوفی بعد ۳۲۰ھ) کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ۵۰ رقبائل کی عربی کے الفاظ ہیں۔ جیسے قریش، ہذیل، کنانہ، خثعم، خزرج، اشعر، نمیر، قیس عیلان، جرہم، یمن، ازد شنوءہ، کندہ، تمیم، حمیر، وغیرہ وغیرہ۔ اور غیر عربی زبانوں میں سے فارسی، رومی، نبطی، حبشی، بربری، سریانی، عبرانی اور قبطی کے الفاظ ہیں۔ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے لغت قریش کے مطابق نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اکثر حصہ لغت قریش کے مطابق ہے۔

۳٦ : **ما وقع فيه بغير لغة العرب** : (قرآن مجید میں عجمی زبانوں کے الفاظ) : ابوعبید قاسم بن

سلام (م ۲۲۴ھ) نے فقہاء سے عجمی الفاظ کا قرآن مجید میں واقع ہونا نقل کیا ہے، اور اہل عربیت سے عدم وقوع کا قول نقل کیا ہے۔ اور ان دونوں قولوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ یہ الفاظ دراصل عجمی تھے، لیکن اہل عرب نے انھیں اپنی زبان کے مطابق ڈھال کر عربی بنا لیا۔ جوالیقی، ابن جوزی اور دوسرے علماء نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

۳۷: **معرفة الوجوه والنظائر** : (وجوہ اور نظائر کی پہچان) : وجوہ سے مراد وہ لفظ مشترک ہے جو کئی معانی میں استعمال ہو جیسے مثلاً امت کا لفظ۔ (یہ قرآن مجید میں کل پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے۔ جماعت، ملت، وقت، امام اور صنف۔ نزہۃ الاعین النواظر: ص ۱۴۳، ۱۴۴)۔ اور نظائر سے مراد وہ لفظ ہے جس کے معنی تو ایک ہی ہوں، لیکن مصداق مختلف ہوں۔ جیسے قریہ۔ دیکھیے: الاکلیل فی المتشابہ والتاویل: ۱۴، ملخصاً موضحاً۔ وجوہ اور نظائر کے ساتھ ایک تیسری قسم افراد بھی ذکر کی جاتی ہے۔ اس کے معنی ہیں کوئی لفظ عام معنی سے ہٹ کر دوسرے معنی میں استعمال ہو۔ جیسے قرآن مجید میں اسف سے مراد حزن ہوتا ہے، سوائے اس آیت کے **فلما آسفونا** (زخرف: ۵۵) یہاں مراد غصہ دلانا ہے۔

۳۸: **معرفة معانی الادوات** : (حروف، اسماء، افعال اور ظروف کے معانی) : قرآن مجید میں استعمال ہونے والے حروف استفہام، حروف عطف، حرف تعریف، حروف شرط، حروف تنبیہ، اسمائے ظروف، اسمائے افعال، افعال مقاربہ وغیرہ کے معانی اور استعمال کے مواقع کی تفصیل جاننا۔ اس میں علم لغت، نحو اور بلاغت سے مدد لی جاتی ہے۔ ضمیر اور اس کے مرجع، تذکیر و تانیث، تعریف و تنکیر، افراد و جمع، بظاہر مترادف نظر آنے والے الفاظ میں ذیلی فرق، سوال و جواب کا اسلوب، عطف کے نکات و ضوابط، ان ابواب میں خاص طور پر بہت تفصیل ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے بیالیسویں نوع میں ان کا ایک نمونہ لکھا ہے۔

۳۹: **معرفة اعرابه** : (قرآن مجید کا اعراب پہچاننا) : وجوہ اعراب جاننے سے کلام کے معانی اور متکلم کی اغراض کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن مجید کی ترکیب نحوی کے کچھ بنیادی قواعد درج ذیل ہیں۔ ۱: اعراب بیان کرنے میں کلام کے معنی کا خیال رکھنا بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ابن ہشام (ابو محمد عبداللہ جمال الدین بن یوسف انصاری مصری ۷۰۸ - ۷۶۱ھ) کہتے ہیں کہ اعراب بیان کرنے میں بہت سے لوگوں سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے صرف ظاہر لفظ کو دیکھا اور معنی کا پورا دھیان نہیں رکھا۔ ۲: نحوی قواعد کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ جیسے مثلاً **فناظرة بم یرجع المرسلون** (النمل: ۳۵) پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے۔ (موضح قرآن: ۴۹۲) میں با کو ناظرۃ کا متعلق قرار دینا درست نہیں، کیونکہ استفہام کے لیے صدر کلام ہوتا ہے۔ ۳: ترکیب عربی زبان کے موافق ہونی چاہیے۔ جیسے مثلاً **کما اخرجک ربک**

(الانفال: ۵) جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے۔ (موضح قرآن: ۲۲۹) میں کاف کو قسم کے معنی میں لینے کا قول درست نہیں، کیونکہ کاف کا قسم کے معنی میں استعمال عربی میں ثابت نہیں۔

۴: قریب، قوی اور فصیح احتمال اختیار کرنا چاہیے اور بعید، ضعیف اور شاذ لغات سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ جیسے **وارجلکم** (المائدہ: ٦) میں جر کی قراءت کی توجیہ جر جوار سے کرنے کو غلط قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جر جوار فی نفسہ ضعیف اور شاذ ہے، بہت کم ثابت ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ **برء وسکم** پر معطوف ہے اور مراد موزے پر مسح کرنا ہے۔ ۵: جتنے بھی احتمال ظاہر ہوں ان سب کا احاطہ کرنا چاہیے۔ جیسے **سبح اسم ربک الاعلی** (الاعلیٰ: ۱) پاکی بول اپنے رب کی جو سب سے اوپر۔ (موضح قرآن :ص ۷۷۰) میں یوں کہنا چاہیے کہ ''الاعلیٰ'' رب کی بھی صفت ہوسکتا ہے اور اسم کی بھی صفت ہوسکتا ہے۔ ٦: کبھی اعراب اور معنی میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ معنی جس اعراب کا تقاضا کرتا ہے اعراب اس معنی کی موافقت نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں صحت معنی کو ترجیح دی جائے گی اور اعراب میں معنی کے مناسب تاویل کی جائے گی۔ ۷: مفسرین کے کلام میں یہ ملتا ہے کہ **ھذا تفسیر معنی و ھذا تفسیر اعراب** ۔ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعراب کی تفسیر میں نحوی قواعد کی رعایت ضروری ہے، اور معنی کی تفسیر میں ضروری نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

٤٠ : **فی المحکم والمتشابہ** : (قرآن مجید کے محکم اور متشابہ کی پہچان میں) : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیت محکمت ھن ام الکتاب واخر متشابھت** (آل عمران: ۷) وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب، اس میں بعض آیتیں ہیں محکم، یعنی ان کے معنی واضح ہیں۔ وہ اصل ہیں کتاب کی۔ اور دوسری ہیں مشابہ، یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں۔ (موضح فرقان: ٦۳) یہاں متشابہ کے معنی ہیں جس لفظ کے مرادی معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یقینی طور پر معلوم نہ ہوں۔ اور بعض اہل علم کے قول کی رو سے رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کی مراد معلوم ہوتی ہے۔ متشابہ کے یہ معنی، اُصول فقہ کے اصطلاحی معنی سے عام ہیں۔ وہ اصطلاحی معنی اس عام معنی کا ایک فرد ہے۔ اور جس لفظ کی مراد، مجاز یا کنایہ کے عام ہونے کی وجہ سے معلوم ہو وہ متشابہ نہیں، اگرچہ اس کے حقیقی معنی میں کوئی محال ہو۔ متشابہ کی اقسام اور احکام کی تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) قدس سرہ کا رسالہ **التواجہ بمایتعلق بالتشابہ** ۔ یہ رسالہ تفسیر بیان القرآن کے حاشیے پر مطبوع ہے۔ دیکھیے: بیان القرآن: ۲۵۹/۱، ۲٦۰، البشریٰ، کراچی، ط: ۱۴۴۰ھ

٤١ : **فی مقدمہ وموخرہ** : (قرآن مجید کے مقدم اور موخر لفظ کی پہچان) : اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ بظاہر معنی مراد واضح نہ ہوں، اور جب معلوم ہو جائے کہ لفظ اپنی اصل جگہ سے ہٹا ہوا ہے تو مطلب واضح ہو جائے۔ جیسے مثلاً **انی متوفیک ورافعک الی** (آل عمران: ۵۵) میں تجھ کو بھر لوں گا اور اٹھا لوں گا۔ (موضح قرآن: ۲/۷۲) یہاں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل یہ ہے: **انی رافعک الی ومتوفیک** ۔ اور دوسری قسم یہ کہ معنی تو واضح ہوں، لیکن اس کے باوجود لفظ کی تقدیم میں جو حکمت اور نکتہ ہے اسے معلوم کرنا چاہیے۔ کتاب اللہ میں کسی لفظ کی تقدیم کی وجوہات کی قسمیں درج ذیل ہیں: ۱: تبرک۔ ۲: تعظیم۔ ۳: تشریف۔ ۴: مناسبت۔ ۵: ترغیب۔ ۶: سبقت۔ ۷: سببیت۔ ۸: کثرت۔ ۹: ادنی سے اعلی کی طرف ترقی۔ ۱۰: اعلی سے ادنی کی طرف نزول۔ ۱۱: قدرت پر زیادہ دلالت کرنیوالا ہونا۔ ۱۲: فواصل کی رعایت (یعنی آیات کا اختتام ایک طرح کا ہو)۔ ۱۳: حصر اور اختصاص کے لیے۔ ۱۴: کبھی ایک مقام پر ایک لفظ مقدم لایا جاتا ہے اور دوسرے مقام پر وہی لفظ مؤخر لایا جاتا ہے۔ ہر مقام کا مقتضی الگ ہونے کی وجہ سے یا تفنن فی الفصاحۃ اور تکثیر اسلوب کی وجہ سے۔

۴۲ : **فی عامه وخاصه** : (قرآن مجید کے عام اور خاص کی پہچان) : خاص وہ لفظ ہے جو ایک وضع سے ایک یا کثیر محصور کے لیے بنایا گیا ہو۔ اور ایک سے مراد عام ہے، واحد شخصی ہو جیسے زید، یا واحد جنسی ہو جیسے انسان، یا واحد نوعی ہو جیسے رجل اور امراۃ۔ ایک وضع کی قید سے مشترک لفظی نکل گیا۔ اور کثیر محصور میں تثنیہ اور اسم عدد دونوں شامل رہے، اور عام اور جمع منکر نکل گئے۔ (کشاف اصطلاحات الفنون: ۲/۳۴، ملخصاً) عام کثیر غیر محصور کے لیے بنایا جاتا ہے۔ (دیکھیے: مصدر سابق: ۳/۳۵۸ - ۳۶۲) عام کی مثال جیسے لفظ کل، الذی، التی اور ان دونوں کا تثنیہ اور جمع، ما، من، ای شرطیہ، استفہامیہ اور موصولہ وغیرہ۔ عام کی تین قسمیں ہیں۔ ۱: جو اپنے عموم پر باقی ہو۔ ۲: جس عام سے مراد خصوص ہو۔ ۳: جس عام میں تخصیص ہوئی ہو۔ عام اور خاص کے موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ جیسے مثلاً **العقد المنظوم فی الخصوص والعموم** شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی (م ۶۸۲ھ) کی۔ اور **تلقیح الفهوم فی تنقیح صیغ العموم** صلاح الدین علائی دمشقی (م ۷۶۱ھ) کی۔

۴۳ : **فی مجمله ومبینه** : (قرآن مجید کے مجمل اور مبین کی پہچان میں) : مجمل کی دلالت واضح نہیں ہوتی۔ اجمال کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ جیسے ۱: مشترک لفظ کا استعمال۔ ۲: حذف۔ ۳: ضمیر کے مرجع میں اختلاف۔ ۴: عطف اور استیناف دونوں کا احتمال۔ ۵: لفظ کا غریب ہونا۔ ۶: تقدیم وتاخیر۔ ۷: منقول لفظ میں تبدیلی۔ ۸: تکرار جس سے کلام میں بہ ظاہر انقطاع آجائے۔ وغیرہ۔ مجمل کا بیان کبھی تو اس کے ساتھ ہی متصل ہوتا ہے اور کبھی دوسری آیت میں منفصل ہوتا ہے۔

٤٤ : **فی ناسخه ومنسوخه** : (قرآن مجید کے ناسخ اور منسوخ کی پہچان میں) : نسخ کے معنی متقدمین اور متاخرین کے ہاں مختلف ہیں۔ متقدمین کی اصطلاح میں نسخ ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا اور اس میں بہت سی وہ صورتیں داخل تھیں جو بعد کے علماء کی اصطلاح میں نسخ نہیں کہلاتیں۔ مثلاً متقدمین کے نزدیک عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ بھی نسخ کے مفہوم میں داخل تھیں۔ چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور دوسری میں انھیں کسی خاص صورت سے مخصوص کر دیا گیا ہے تو علمائے متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے ہیں، جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم ہو گیا، بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا تھا دوسری آیت نے اسے ختم کر دیا۔ اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک نسخ کا مفہوم اتنا وسیع نہیں۔ وہ صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو۔ محض عام میں تخصیص یا مطلق میں تقیید پیدا ہو جائے تو اسے نسخ نہیں کہتے۔

اصطلاح کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم کی منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ معمولی فرق کی وجہ سے ایک آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے تھے، لیکن متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے۔ (علوم القرآن: ۱۶۱ - ۱۶۳ ملخصا) اصول فقہ کی اصطلاح میں نسخ کو بیان تغییر بھی کہتے ہیں۔ نسخ کا تعلق صرف امر اور نہی کے ساتھ ہوتا ہے، اگرچہ وہ خبر کے لفظ میں ہوں۔ اور جس خبر میں طلب کے معنی نہ ہوں جیسے مثلاً وعد اور وعید، اس میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ نسخ کی تین قسمیں ہیں: ۱: تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں۔ ۲: حکم منسوخ ہو، تلاوت باقی ہو۔ ۳: تلاوت منسوخ ہو، حکم باقی ہو۔

٤٥ : **فی مشکله وموهم الاختلاف والتناقض** : (جن آیات میں بہ ظاہر اختلاف اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے ان کی تفسیر جاننا) : اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ ان کے کلام میں ٹکراؤ ہو۔ ان کی ذات ہر عیب سے پاک ہے تو ان کا کلام بھی ہر عیب سے پاک ہے۔ مبتدی کو کم علمی کی وجہ سے بہ ظاہر کسی جگہ ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے، درحقیقت وہ ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ چانچہ دونوں آیتوں کے معانی کے سب پہلو سامنے آنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔ تو اس ظاہری تعارض کو دور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مختلف الحدیث کا فن، بہ ظاہر متعارض احادیث میں تطبیق دینے کے لیے ہے۔

٤٦، ٤٧ : **فی مطلقه ومقیده ومنطوقه ومفهومه** : (قرآن مجید کے مطلق، مقید اور منطوق، مفہوم کی پہچان میں) : مطلق میں قید نہیں ہوتی، مقید میں قید ہوتی ہے۔ مطلق اور مقید میں عام اور خاص جیسا تعلق ہے۔ لفظ سے براہ راست حاصل ہونے والے معنی کو منطوق کہتے ہیں۔ اور معنی کے واسطے سے حاصل

ہونے والے معنی کو مفہوم کہتے ہیں۔ عام، خاص، مطلق، مقید، منطوق اور مفہوم کے بارے میں اصولی مباحث کی تفصیل علم اصول فقہ کے مبادی لغویہ میں بیان ہوتی ہے۔

۴۸ : **فی وجوہ مخاطباتہ** : (قرآن مجید کے خطابات کے معانی اور نکات جاننا) : جیسے: ا: خطاب عام جس سے مراد بھی عام ہو۔۲: خطاب خاص جس سے مراد بھی خاص ہو۔۳: خطاب عام جس سے مراد خاص ہو۔۴: خطاب خاص جس سے مراد عام ہو۔۵: جنس کو خطاب۔۶: نوع کو خطاب۔۷: خاص شخص کو خطاب۔ ۸: مدح کا خطاب۔۹: مذمت کا خطاب ۔۱۰: عزت کا خطاب ۔۱۱: اہانت کا خطاب ۔۱۲: مذاق اڑانے کے لیے خطاب۔۱۳: جمع کو واحد کے لفظ سے خطاب۔۱۴: واحد کو جمع کے لفظ سے خطاب۔۱۵: واحد کو تثنیہ کے لفظ سے خطاب۔ وغیرہ وغیرہ۔

۴۹ : **فی حقیقتہ ومجازہ** : (قرآن مجید کے الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنی جاننا) : قرآن مجید میں حقیقت کے واقع ہونے پر اتفاق ہے۔ جمہور کے ہاں مجاز بھی قرآن مجید میں واقع ہے۔ ظاہر یہ، ابن قاص شافعی اور ابن خویز منداد مالکی اس کے قائل نہیں۔ انھیں یہ شبہ ہوا ہے کہ مجاز جھوٹ کے مشابہ ہے، اور حقیقت کے استعمال سے عاجز ہونے کی دلیل ہے، اور اللہ تعالی کی ذات اس سے پاک ہے، لیکن یہ شبہ باطل ہے۔ اگر مجاز نہ ہو تو قرآن مجید کا حسن جاتا رہے۔ اہل بلاغت کا اتفاق ہے کہ **المجاز ابلغ من الحقیقۃ** مجاز حقیقت سے زیادہ بلیغ ہے۔

مجاز کی دو قسمیں ہیں۔ مجاز عقلی، مجاز لغوی۔ مجاز عقلی فعل یا شبہ فعل کے اسناد میں ہوتا ہے۔ اور مجاز لغوی مفرد کے معنی میں ہوتا ہے۔ مجاز کی ایک قسم تضمین بھی ہے۔ یعنی ایک کلمے میں دوسرے کلمے کے معنی ملا دینا۔ یہ اسم، فعل اور حرف تینوں میں ہوتا ہے۔ حقیقی اور مجازی معنی میں کوئی مناسبت ہوتی۔ اسے علاقہ مجاز کہتے ہیں۔ مجاز کی اصولی تفصیلات اصول فقہ، بلاغت اور منطق میں بیان ہوتی ہیں۔

۵۰ : **فی تشبیھہ واستعاراتہ** : (قرآن مجید کی تشبیہات اور استعارات کو سمجھنا) : بلاغت کی اشرف اور اعلی قسموں میں سے ایک تشبیہ ہے۔ مبرد (ابوالعباس محمد بن یزید ۲۱۰ - ۲۸۶ھ) کہتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ تشبیہ اہل لسان (عرب) کے کلام کا اکثر حصہ ہے تو بعید نہیں۔ ایک شے کو دوسری کی طرح قرار دینا کسی مشترک چیز کی وجہ سے تشبیہ کہلاتا ہے۔ تشبیہ کے چار ارکان ہیں۔ مشبہ، مشبہ بہ، وجہ تشبیہ، اور اداۃ تشبیہ۔ اداۃ تشبیہ سے مراد تشبیہ کے معنی پر دلالت کرنے والا کلمہ ہے۔ مجاز کے علاقات میں سے ایک مشابہت بھی ہے۔ یعنی کبھی حقیقی معنی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت اور تشبیہ کا تعلق ہوتا ہے۔ اس میں کبھی وجہ تشبیہ، اداۃ تشبیہ دونوں حذف کر دیتے ہیں اور مشبہ یا مشبہ بہ میں سے بھی ایک حذف کر دیتے ہیں تو اسے استعارہ کہتے

ہیں۔ گویا استعارہ مجاز اور تشبیہ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ استعارہ تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ اسی طرح کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور استعارہ کنایہ سے بھی زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ اور استعارے کی بعض قسمیں دوسری قسموں سے زیادہ بلیغ ہوتی ہیں۔ زیادہ بلیغ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان میں زیادہ تاکید اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔

اگر کوئی کہے **زید اسد** (زید شیر ہے) تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد تشبیہ ہو تو اس صورت میں حرف تشبیہ مقدر ہوگا۔ اور مطلب ہوگا زید شیر کی طرح ہے۔ اور دوسری یہ کہ استعارہ مراد ہو تو حرف تشبیہ مقدر نہیں ہوگا۔ اور مطلب ہوگا زید شیر ہی ہے۔ اس سے استعارے اور اس تشبیہ میں فرق واضح ہوا جس میں اداۃ تشبیہ محذوف ہوتا ہے۔

۵۱ - ۵۵ : **فی کنایاته وتعریضه وفی الحصر والاختصاص وفی الایجاز والاطناب وفی الخبر والانشاء وفی بدائع القرآن** : (قرآن مجید کے کنایہ، تعریض اور حصر اختصاص اور ایجاز اطناب اور خبر انشاء اور محسنات بدیعیہ کی پہچان میں) : یہ بھی بلاغت کے ابواب میں سے ہیں جن پر اہل بلاغت نے تفصیل سے کلام کیا ہے۔ حضرت امام محمد انور شاہ کشمیری (۱۲۹۲ - ۱۳۵۲ھ) قدس سرہ فرماتے ہیں: تجربے کے بعد کہتا ہوں کہ بلاغت کے بہت سے مسائل، (تفسیر) کشاف سے نکلتے ہیں، جن کی خوشبو بھی بلاغت کی کتب میں مجھے نہیں ملی۔ اندازہ ہے کہ ایسے مسائل بلاغت کی کتابوں کے مسائل سے تقریبا آدھے ہوں گے۔ (فیض الباری: ۱/۲۵۵، ملخصا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط: ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵م)

۵۶، ۵۷ : **فواتح السور وخواتمها** : (سورتوں کے آغاز اور اختتام کی خوبیاں جاننا) : حسن ابتداء اور حسن انتہاء دونوں بلاغت کا اہم حصہ ہیں۔ حسن ابتداء کا مطلب یہ ہے کہ کلام کا آغاز عمدہ ہو، تاکہ سامع متوجہ ہو جائے اور بات سمجھے۔ آغاز اگر پھیکا ہو تو سامع توجہ نہیں کرے گا اگرچہ بعد والا کلام بہت اچھا ہو۔ اور حسن انتہاء کے معنی یہ ہیں کہ کلام کا اختتام بھی عمدہ ہو، تاکہ سامع کے کان میں جو بات آخر میں پڑے وہ مختصر، جامع اور اختتام کی طرف اشارہ کرنے والی ہو جس سے اسے مزید کلام کا انتظار نہ رہے۔ قرآن مجید کی سب سورتوں کا آغاز اور اختتام بہترین طور پر ہوا ہے۔

سورتوں کا آغاز کل دس قسم کے کلام سے ہوا ہے۔ ۱: ثناء۔ یعنی اللہ تعالی کی تعریف۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کمالات کو ثابت کرنا۔ یہ تحمید سے ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ عیوب کی نفی کرنا۔ یہ تسبیح سے ہوتا ہے۔ تحمید اور تبارک سے ۷/سورتیں اور تسبیح سے بھی ۷/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔ ۲: حروف مقطعات: ان سے ۲۹/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔ ۳: نداء: اس سے ۱۰/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔ ۵/نبی اکرم ﷺ کی نداء سے،

اور ۵؍امت کی ندا سے ۔۴: جملہ خبریہ سے ۲۳؍سورتیں شروع ہوئی ہیں ۔۵: قسم سے ۱۵؍سورتیں شروع ہوئی ہیں ۔۶: شرط ۷؍سورتوں کے شروع میں ہے ۔۷: امر ۶؍سورتوں کے شروع میں ہے ۔۸: استفہام سے ۶؍سورتیں شروع ہوئی ہیں ۔۹: دعا سے تین سورتیں شروع ہوئی ہیں ۔۱۰: علت سے ایک سورت کا آغاز ہوا۔

حسن ابتداء کی ایک قسم براعۃ الاستہلال ہے ۔اس میں شروع کلام میں مقاصد کی طرف اشارہ ہوتا ہے ۔اس کی بہترین مثال سورہ فاتحہ ہے، جو قرآن مجید کے شروع میں ہے اور پورے قرآن مجید کے مضامین پر مشتمل جامع خلاصہ ہے ۔(تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید انسان کو سعادت اور کامیابی کا راستہ بتانے آیا ہے ۔اس کے لیے اپنے مولی کی پہچان اور اسکی بندگی کی ضرورت ہے ۔اور اس میں سستی اور غفلت سے بچنے کے لیے وعد و وعید کی ضرورت ہے ۔اس طرح قرآن مجید میں بنیادی طور پر تین مضامین بیان ہوئے ہیں ۔ ۱: اللہ تعالی کی تعریف وتوصیف اور پہچان ۔۲: احکام وقوانین ۔یہ کرو، یہ نہ کرو ۔۳: وعد و وعید سے ترغیب وترہیب ۔سورت فاتحہ کے شروع کی تین آیتوں میں اللہ تعالی کی ثنا اور معرفت ہے ۔چوتھی اور پانچویں آیت میں احکام اور قوانین ہیں ۔چھٹی اور ساتویں آیت میں وعد و وعید ہے ۔(حاشیۃ السید الشریف علی الکشاف: ۲۳/۱، ملخصاً، دار الفکر، ط: اولی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷م) نیز دیکھیے: تفسیر الرازی: ۱۵۷/۱، ۱۶۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط: ۱۴۲۰ھ ۔

سورتوں کا اختتام بھی آغاز کی طرح عمدہ ترین ہے ۔جیسے سورہ فاتحہ کے آخر میں مطلوب کا خلاصہ ہے ۔سورہ بقرہ کے آخر میں دعا ہے ۔سورہ آل عمران کے آخر میں نصیحت ہے ۔سورہ نساء کے آخر میں وراثت کا مضمون ہے جس میں موت کی طرف اشارہ ہے جو انسان کی اس زندگی کا اختتام ہے ۔سورہ مائدہ کے آخر میں اللہ تعالی کی تعریف ہے ۔وغیرہ وغیرہ ۔حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: حق تعالی ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں جو سب کی جامع ہوتی ہے، اور جس پر عمل کرنے سے تمام احکام مذکورہ میں سہولت ہو جاتی ہے ۔

(خطبات حکیم الامت: ۳۹۶/۳، وعظ سبیل النجاح، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۸ھ)

۵۸ : **مناسبۃ الآیات والسور** : (آیتوں اور سورتوں کا باہمی ربط جاننا) : حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: میں نے ربط آیات اپنی تصنیف **سبق الغایات فی نسق الآیات** میں دکھلایا ہے، جس کو لوگوں نے بہت پسند کیا ہے، مگر وہ سب ظنی تخمینی ہے، جس پر کوئی دلیل قوی نہیں ۔اعتقاداً میں یہی سمجھتا ہوں کہ باہم آیات میں کسی ربط کی ضرورت ہی نہیں ۔یہ تو خوبی قرآن کی ہے کہ اس میں ربط ظاہر نہیں ۔البتہ باہم تناسب کی نفی نہیں کی جاتی ۔مگر وہ بھی کسی دلیل سے متعین نہیں ۔اجمالاً ایک دلیل سے ثابت ہے ۔اور وہ دلیل

تلاوت کی ترتیب کا نزول کی ترتیب سے مختلف ہونا ہے۔جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مواقع سے خاص مناسبت ہے جس کا علم اللہ تعالی ہی کو ہے۔

حضرت اگر ظاہر ربط نہ ہونا موجب قدح ہوتا تو سب سے زیادہ دشمن اول اول عرب کے قریش تھے۔وہ ضرور نقص نکالتے، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی۔اور خود عرب کے شاعروں میں بھی صرف ضرورت پر نظر ہے۔ربط کا خواہ مخواہ کا خبط نہیں۔سبع معلقات ہی میں یہ شعر ہے: **ھل غادر الشعراء من متردم — ام ھل عرفت الدیار بعد توھم۔** (اول المعلقة السادسة لعنترة بن شداد) ان دو مصرعوں میں باہم کوئی ربط نہیں۔اول مصرع میں کچھ مضمون ہے، دوسرے میں کچھ۔وہاں شعراء کا حال بیان کر رہے تھے، یہاں گھر کا حال بیان کرنے لگے۔متنبّی (ابو الطیب احمد بن حسین متوفی ۳۵۴ھ) نے البتہ ان تکلفات کا زیادہ اہتمام کیا ہے، اور اسی کو اہل عرب اچھا نہیں کہتے۔کہتے ہیں کہ اس کے کلام میں عجمیت ہے، عربیت نہیں۔عربیت میں تو سادگی ہوتی ہے، تکلف نہیں ہوتا۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۶۰/۱۰، ۶۱ ملخصا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

دوسری آیت پہلی کے لیے اگر تاکید یا تفسیر یا اعتراض یا بدل ہے تو ربط ظاہر ہے۔اور اگر ربط ظاہر نہ ہو بلکہ ہر جملہ دوسرے سے بہ ظاہر مستقل معلوم ہو تو ایسی صورت میں بھی غور کرنے سے کئی طرح کا ربط سامنے آتا ہے جیسے سبب مسبب کا تعلق، علت معلول کا تعلق، ایک دوسرے کی نظیر ہونا، ایک دوسرے کی ضد ہونا، استطراد وغیرہ۔سورتوں میں باہم اور ایک سورت کے آغاز و کا اسی کے اختتام سے ربط جاننا بھی اہم ہوتا ہے۔اور سورتوں کے ناموں کی ان سورتوں کے مقاصد سے مناسبت معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔

۵۹ : **معرفة الآیات المشتبھات** : (ایک طرح کی آیات کے باہمی فرق کے نکات جاننا) : اس نوع کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک واقعہ یا مضمون مختلف جگہ پر مختلف الفاظ میں بیان ہوا ہے۔اس فرق کی حکمت سمجھنا۔جیسے مثلاً سورہ بقرہ: آیت ۵۸/میں ہے: **وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة** ہے۔اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخش دے۔(موضح فرقان: ۱۱)۔اور سورہ اعراف: آیت ۱۶۱/میں ہے: **وقولوا حطة وادخلوا الباب سجدا** ہے۔اور مثلا سورہ بقرہ: آیت ۶/ میں **سواء علیھم ءانذرتھم** ہے۔برابر ہے ان کو تو ڈرائے۔(موضح فرقان: ۴)۔اور سورہ یس: آیت ۱۰/میں **وسواء علیھم ءانذرتھم** ہے۔وغیرہ وغیرہ۔ایسے ہی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ الفاظ اور انداز کے فرق کے ساتھ متعدد جگہوں پر آیا ہے۔اور حضرت موسی علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بھی الفاظ اور انداز کے فرق کے ساتھ کئی دفعہ آیا ہے۔

۶۰ : **اعجاز القرآن** : (قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی وجوہ جاننا) : معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مقابلے کا چیلنج ملا ہو اور اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ معجزے کی دو قسمیں ہیں۔ حسی اور عقلی۔ بنی اسرائیل کے اکثر معجزات حسی تھے، ان کی ذہنی سطح کے لحاظ سے۔ اور امت محمدیہ کے اکثر معجزات عقلی ہیں، ان کی عقل کامل ہونے کی وجہ سے۔ حسی معجزات جلد ختم ہو جاتے ہیں اور عقلی معجزات باقی رہتے ہیں۔ عقلاء کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ قرآن مجید میں مقابلے کا جو چیلنج دیا گیا ہے اس کی تین قسمیں ہیں: ۱: پوری کتاب اس طرح کی لاؤ۔ (طور: ۳۴، اسراء: ۸۸)۔ ۲: دس سورتیں اس طرح کی لے آؤ۔ (ہود: ۱۳، ۱۴)۔ ۳: ایک ہی سورت اس طرح کی لے آؤ۔ (بقرہ: ۲۳، یونس: ۳۸)

حضرت تھانوی قدس سرہ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: عرب میں ایسے وقت قرآن پاک کا نزول ہوا جب وہاں بڑے بڑے بلغاء فصحاء موجود تھے۔ اس وقت حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس کی مثل ایک سورت ہی لے آؤ اور پھر کوئی اس کی مثل نہ لا سکا صاف دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ تفصیلی وجوہ اعجاز کے بیان کرنا ضرور نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۶۵/۸ ملخصا) چنانچہ مثلاً ولید بن مغیرہ جیسے قریش کے سردار اور دشمن اسلام نے جب نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن مجید کی آیات سنیں تو یوں تبصرہ کیا: **فو اللہ ما فیکم رجل اعلم بالاشعار منی ، ولا اعلم برجز ولا بقصیدۃ منی ، ولا باشعار الجن ، واللہ مایشبہ الذی یقول شئیا من ھذا ، وواللہ ان لقولہ الذی یقول حلاوۃ ، وان علیہ لطلاوۃ ، وانہ لمثمر اعلاہ ، مغدق اسفلہ ، وانہ لیعلو ومایعلی ، وانہ لیحطم ماتحتہ .** (مستدرک حاکم: ۳۸۷۲/۲ صححہ الحاکم والذہبی، ملخصا) سو اللہ کی قسم تم میں شعر کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں، اور نہ رجز اور قصیدے کو مجھ سے زیادہ کوئی جاننے والا ہے، اور نہ جنوں کے شعر کو، (یعنی میں تمام اصناف سخن کو تم میں سب سے زیادہ سمجھتا ہوں، پھر بھی کہتا ہوں) اللہ کی قسم ان (محمد ﷺ) کے سنائے ہوئے کلام (قرآن مجید) کی عجیب حلاوت اور شیرینی ہے، اور اس پر عجیب قسم کی رونق ہے۔ اور اس کی شاخیں پھلدار ہیں، اور اسکی جڑیں مضبوط ہیں، اور یہ کلام بلند اور غالب ہو کر رہے گا مغلوب نہ ہوگا، اور یہ سب کو کچل کر رکھ دے گا۔

چند مسخروں نے قرآن مجید کے مقابلے میں کچھ مضحکہ خیز جملے بنائے تھے، وہ تاریخ کے صفحات میں آج تک محفوظ ہیں اور اہل عرب ہمیشہ ان کی ہنسی اڑاتے آئے ہیں۔ مثلاً کسی نے سورہ القارعہ کے انداز پر یہ جملے کہے تھے: **الفیل ، ماالفیل ، ومادراک ماالفیل ، لہ مشفر طویل وذنب اثیل.** (ہاتھی، ہاتھی کیا ہے، اور تمھیں کیا معلوم ہاتھی کیا ہے؟ اس کا لمبا ہونٹ ہے، اور مضبوط دم ہے)۔ عربی زبان کے

مشہور ادیب اور انشاء پرداز عبداللہ بن مقفع (متوفی ۱۴۲ھ) نے قرآن مجید کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا، لیکن اسی دوران کسی بچے کو یہ آیت پڑھتے سنا: **وقیل یا ارض ابلعی ماء ک ویا سماء اقلعی** (ھود:۴۴) اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی، اور اے آسمان تھم جا۔(موضح قرآن:۲۹۳)۔ تو پکار اٹھا کہ اس کلام کا معارضہ ناممکن ہے اور یہ ہرگز انسانی کلام نہیں۔(علوم القرآن:۲۵۳،۲۵۴ ملخصاً)

حضرت شیخ (مولانا محمد یوسف بنوری) رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: یہ صرف قرآن کا اعجاز ہے کہ اس سے ہر شخص بقدر حیثیت فائدہ اٹھاتا ہے۔ عامی شخص بھی اس کو پڑھ کر اپنی راہنمائی کا سامان پاتا ہے، اور عالم جب پڑھتا ہے تو **لاتنقضی عجائبه** کی شان رکھتا ہے۔(ماہنامہ بینات: جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ، ص ۵۵) اور فرماتے ہیں: شملہ میں ایک موقع پر حضرت مولانا عثمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن، حضرت مولانا خلیل احمد، حضرت مولانا تھانوی اور حضرت (انور) شاہ صاحب (کشمیری) رحمہم اللہ تعالی جمع ہوئے۔ بعض لوگوں نے تقاضا کیا کہ قرآن کے اعجاز پر تقریر ہو۔ اس کے لیے حضرت شاہ صاحب منتخب ہوئے۔ تقریر سے پہلے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اعجاز قرآن پر میری تقریر اس شخص کو سمجھ میں آئے گی جس کو بارہ ہزار اشعار دورِ جاہلیت کے یاد ہوں اور بلاغت وفصاحت کے قواعد پر عبور ہو۔ بہر حال آپ نے ڈیڑھ یا دو گھنٹہ تقریر کی۔ تقریر کے خاتمہ پر حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا: سبحان اللہ! آج ہمیں اپنے جہل کا علم ہوا۔

(ماہنامہ بینات: جمادی الاخری ۱۴۴۰ھ، ص ۵۰)

اعجاز قرآن کے بارے میں ایک کہاوت ہے : **لم یدر اعجاز القرآن الا الاعرجان** ۔ یعنی قرآن مجید کے اعجاز کو دو لنگڑوں نے ہی خوب سمجھا ہے۔ عبد القاہر جرجانی مصنف دلائل الاعجاز، اور جار اللہ محمود زمخشری مصنف تفسیر کشاف۔ حضرت امام انور شاہ کشمیری قدس سرہ یہ قول نقل کر کے بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے: **وانا ثالثهما** ۔ اور میں ان کے ساتھ تیسرا ہوں۔(یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن:۵۰)

قرآن مجید جن خصوصیات کی بنا پر معجزہ ہے، ان خصوصیات کا احاطہ تو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ البتہ انسان کی محدود بصیرت کے مطابق ان اعجازی خصوصیات کو چار عنوانات پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱:مفردات کا اعجاز ۔۲:ترکیب کا اعجاز ۔۳:اسلوب بیان کا اعجاز ۔۴:نظم کا اعجاز ۔(تفصیل کے لیے دیکھیے: علوم القرآن:۲۵۴-۲۶۸، باب ہفتم: حقانیت قرآن، عنوان: قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات)۔

قرآن مجید کی تفسیر سے مناسبت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے مروج اسلوب تحریر کو ذہن میں رکھ کر اسے پڑھتے ہیں، حالانکہ اس کتاب کریم کا اسلوب بیان ہمارے مروج اسلوب تحریر سے بہت مختلف ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کا موضوع اور اس کے اسلوب بیان کی خصوصیات اچھی طرح سمجھ کر انھیں ذہن

نشین رکھنا بہت ضروری ہے۔اس موضوع پر محمد عبدالخالق عضیمۃ کی دراسات لاسلوب القرآن الکریم بھی مفید ہے۔

٦١ : العلوم المستنبطة من القرآن : (قرآن مجید سے ثابت ہونے والے علوم ومعارف) :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا: اللہ تعالی نے فلاں فلاں عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ بنواسد کی ایک عورت کو یہ بات پہنچی تو اس نے آپ سے کہا۔آپ نے فرمایا جس پر رسول اللہ نے لعنت فرمائی میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں حالانکہ یہ بات قرآن مجید میں بھی ہے۔اس عورت نے کہا میں نے سارا قرآن پڑھا ہے اس میں مجھے یہ بات نہیں ملی! آپ نے فرمایا اگر تم نے (غور سے) اسے پڑھا ہوتا تو تمھیں یہ بات مل جاتی۔کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: **وَمَا آتٰکم الرسو ل فخذوه ومانهٰکم عنه فانتهوا** (الحشر:۷) اور جو دے تم کو رسول سو لے لو۔اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔(موضح قرآن: ص۷۰۹)۔ اس نے کہا کیوں نہیں! (یہ تو پڑھا ہے)۔آپ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(صحیح بخاری:۴۸۸۶/فواد) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **جميع ما تقوله الامة شرح للسنة، وجميع السنة شرح للقرآن.** (علمائے) امت (دین کے بارے میں) جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب سنت کی تشریح ہے، اور ساری سنت قرآن مجید کی تشریح ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے قرآن مجید کا مدار توحید، رسالت، آخرت اور تقدیر کے اثبات پر رکھا ہے۔اوران اُصولِ اَربعہ کو ثابت کرنے میں بہت تفصیل بیان فرمائی ہے۔(تفسیر الرازی: ۱۶۲/۱۳، ۲۳۱/۲۰) حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: قرآن مجید ایک مطب روحانی ہے، اور ہم سب مریض ہیں، تو ہر آیت تمام امراض کا علاج ہے۔اور اسی وجہ سے قرآن مجید کی عجیب ترتیب ہے کہ اس میں ابواب وفصول نہیں۔ بلکہ ہر مضمون میں ایسی جامعیت کا لحاظ ہے کہ جو آیت بھی لی جائے وہ ہر مرض کے علاج کے لیے کافی وافی ہے۔گو ہر مقام پر ظاہر نظر میں کسی خاص مرض کا علاج معلوم ہوتا ہے، لیکن تعمق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر مرض کا علاج ہے۔یہیں سے معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کا طرز (بیان، انسانی) مصنفین کی کتب کے طرز پر کیوں نہیں۔(خطبات حکیم الامت : ۱۳/۱۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۲۸ھ) اور ارشاد ہے: بیان القرآن کی سرخیوں میں علوم القرآن ہیں۔ان کے اندر غور کرنے سے قرآن مجید کے علوم کا اور غرض مسوق لہ الکلام کا پتہ چل جاتا ہے۔اور بہت خدشات اس سے رفع ہو جاتے ہیں۔(ملفوظات حکیم الامت: ۳۹۲/۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۲۵ھ)

بعض علماء فرماتے ہیں: قرآن مجید میں آیات احکام ۱۵۰/ ہیں، بعض فرماتے ہیں: ۵۰۰/ ہیں۔

شاید ان کی مراد یہ ہے کہ صریح آیات احکام اتنی ہیں، کیونکہ قصص ،اَمثال وغیرہ آیات سے بھی بہت سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب **الاکلیل فی استنباط التنزیل** میں آیات سے ثابت ہونے والے فقہی ،اصولی ،اعتقادی اور دیگر مسائل ذکر کیے ہیں۔اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سر پرستی میں لکھی گئی عظیم الشان کتاب **اَحکام القرآن** بھی اسی موضوع پر ہے۔ یہ کتاب ۱۸ر جلدوں میں مکمل طبع ہوچکی ہے۔اس کی تصنیف میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی، اور حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہم اللہ تعالی جیسے اکابر اہل علم شریک ہوئے۔

٦٢ : **اَمثال القرآن** : (قرآن مجید میں بیان کی گئی مثالوں کی تفسیر جاننا) : قرآن مجید میں مثالیں بیان کرنے کی کئی حکمتیں ہیں۔ جیسے نصیحت کرنا، اُبھارنا، ڈرانا، دوسروں سے عبرت دلانا، بات ثابت اور پختہ کرنا، سمجھنے میں آسانی کرنا، معقول کو محسوس کے پیرائے میں لاکر ذہن نشین کرانا، بیان کا سلیقہ سکھانا، مدح کرنا اور مذمت کرنا وغیرہ۔

قرآن مجید کی مثالیں دو قسم کی ہیں۔ظاہر، خفی۔ظاہر جس میں مثل کا لفظ ہو۔خفی جس میں یہ لفظ نہ ہو، لیکن اس کے معنی ہوں۔ظاہر کی مثال جیسے : **مثلھم کمثل الذی استوقد نارا** (البقرہ: ۱۷ - ۲۰)۔ان کی مثال جیسے ایک شخص نے سلگائی آگ۔(موضح قرآن: ۵) یہاں منافقوں کی دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔آگ سے اور بارش سے۔اس قسم کو تشبیہات میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے۔

خفی کے بارے میں (ابوعلی) حسین بن فضل (بجلی کوفی ۱۸۰ - ۲۸۲ھ) سے کہا گیا کہ تم عرب اور عجم کی کہاوتیں اور ضرب الامثال قرآن مجید سے نکالتے ہو، تمھیں قرآن مجید میں **کما تَدِینُ تُدانُ** ملی؟ اس نے کہا: **من یعمل سوء یجز به.** (النساء:۱۲۳) میں ہے۔جو کوئی برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔ (موضح قرآن:۱۲۵)۔ پوچھا گیا **لیس الخبر کالعیان** کہاں ہے؟ اس نے کہا: **قال اولم تئو من قال بلی ولکن لیطمئن قلبی.** (البقرہ:۲۶۰) میں ہے۔فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں! لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو۔(موضح قرآن:۵۵) وغیرہ وغیرہ۔جعفر بن (محمد) شمس (الخلافۃ متوفی ۶۲۲ھ) نے کتاب الآداب میں ایک باب قائم کیا ہے جس میں قرآن مجید کے وہ الفاظ ذکر کیے ہیں جو کہاوت اور ضرب الامثال ہیں۔ جسے فن بدیع کی اصطلاح میں ارسال المثل کہتے ہیں۔جیسے: **لیس لها من دون الله کاشفة** (النجم:۵۸)۔کوئی نہیں اس کو اللہ کے سوا کھول دکھانے والا۔(موضح قرآن:۶۸۵)۔ **لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون** (آل عمران:۹۲)۔ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب

تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ۔(موضح فرقان:۷۹)۔وغیرہ۔

٦٣ : **اَقسام القرآن :** (قرآن مجید کی قسمیں سمجھنا) : قسم خبر کی تحقیق وتاکید کے لیے ہوتی ہے۔ عرب اہل لسان کا اسلوب ہے کہ بات پکی کرنے کے لیے قسم ذکر کرتے ہیں۔فیصلہ دو قسم کی دلیلوں سے ہوتا ہے: گواہی اور قسم۔اللہ تعالی نے دونوں قسم کی دلیلیں ذکر فرمائی ہیں۔باری تعالی نے سات مقامات پر اپنی ذات کی قسم ذکر کی ہے۔نساء:٦٥، یونس:۵۳، حجر:۹۲، مریم:۶۸، ذاریات:۲۳، تغابن:۷، معارج:۴۰۔ باقی مقامات پر اپنے فعل کی یا مخلوق کی قسم ہے۔مصنوعات کی قسم مستلزم ہے صانع کی قسم کو، کیونکہ مفعول کا ذکر فاعل کے ذکر کو مستلزم ہے، کیونکہ مفعول فاعل کے بغیر پایا نہیں جاسکتا۔

قسم کی دو قسمیں ہیں: ظاہر اور مضمر۔مضمر کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس پر لام دلالت کرے۔ دوسری وہ جو معنی سے سمجھ آئے۔لام کی مثال: **لتبلون فی اموالکم**.(آل عمران:۱۸۶)۔البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے۔(موضح قرآن:۹۵)۔معنی کی مثال: **وان منکم الا واردھا** (مریم: ۷۱)۔یعنی **واللہ** . اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر۔(موضح قرآن:۴۰۱)

٦٤ : **فی جدل القرآن :** (قرآن مجید کا طرز مجادلہ سمجھنا): قرآن مجید کے دلائل عوام وخواص، عرب وعجم سب کے لیے ہیں۔نزول قرآن کے وقت اہل عرب کا طرز خطابی دلائل سے بات کرنے کا تھا، اور اسی طریقے کو عام طور پر سمجھا جاتا تھا۔نیز عام لوگ ہر زمانے میں اسی انداز سے بات بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس اُسلوب کی رعایت کی گئی ہے۔قرآن مجید کے دلائل کا مدلول مطابقی خطابی اور اقناعی ہوتا ہے، اور مدلول التزامی برہان قطعی ہوتا ہے۔اور یہ اسلوب بھی وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ ہے، کہ ایک لفظ میں عوام اور خواص دونوں کے اطمینان کا سامان مہیا فرمادیا۔عوام ظاہر کو سمجھ لیں، اور خواص باطن میں موجود دلیلی قطعی دیکھ کر تسلی کر لیں۔(دیکھیے: الفوائد المنتقاۃ من امالی امام العصر:۱۲۹، ۱۳۰، یتیمۃ البیان:۶۹-۳۷، خطبات حکیم الامت:۲۷/۴۰-۴۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۳۱ھ) حضرت تھانوی قدس سرہ اپنی تفسیر بیان القرآن کے خطبے میں فرماتے ہیں: تقریر مدلول آیات میں قواعد میزانیہ منطقیہ کی پوری طور سے مراعات کی گئی ہے۔جس کا لطف اذکیا اور علما کے جی سے پوچھنا چاہیے۔(بیان القرآن:۱/۲۹)

٦٥ : **ماوقع فی القرآن من الاسماء والکنی والالقاب :** (قرآن مجید میں جو نام، کنیتیں اور القاب آئے ہیں انھیں جاننا) : قرآن مجید میں ۲۵/انبیاء کے نام آئے ہیں۔حضرت آدم، نوح، ادریس، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، لوط، ہود، صالح، شعیب، موسی، ہارون، داود، سلیمان، ایوب، ذوالکفل، یونس، الیاس، الیسع، زکریا، یحیی، عیسی بن مریم، محمد صلوات اللہ سلامہ علیہم اجمعین۔فرشتوں کے

ناموں میں سے ۹/نام آئے ہیں: جبرائیل، میکائیل، رعد، برق، ہاروت،، ماروت، مالک، سجل، قعید۔ صحابہ میں سے حضرت زید بن حارثہ کا نام آیا ہے۔ انبیاء کے علاوہ پہلے لوگوں میں سے عمران، عزیر، تبع، لقمان، یوسف (سورہ غافر والا)، یعقوب (سورہ مریم کے شروع والا) اور تقی آئے ہیں۔ خواتین کے ناموں میں سے صرف مریم آیا ہے۔ کفار کے ناموں میں سے قارون، جالوت، ہامان، آزر آئے ہیں۔ جنات کے ناموں میں سے ابلیس آیا ہے۔ کنیتوں میں سے صرف ابولہب ہے۔ القاب میں سے اسرائیل حضرت یعقوب کا اور مسیح حضرت عیسی علیہما السلام کا لقب ہے۔

٦٦، ٦٧ : **المبہمات واسماء من نزل فیہم القرآن** : (مبہمات اور جن کے بارے میں قرآن مجید نازل ہوا انھیں جاننا) : مبہمات قرآن مجید پر سیوطی رحمہ اللہ کی **مفحمات الاقران فی مبہمات القرآن** مطبوع ومتداول ہے۔

٦٨ : **فضائل القرآن وخواصہ** : (قرآن مجید کے فضائل وخواص) : فضائل کے بارے میں احادیث کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم جو پورے قرآن مجید کے فضائل کے بارے میں ہے۔ اور دوسری قسم جو الگ الگ سورتوں یا آیتوں کے بارے میں ہے۔ خواص بھی دو قسم کے ہیں۔ بعض نصوص سے ثابت ہیں، اور بعض تجربے سے۔ جیسے مثلاً بیماری میں سورہ فاتحہ سے دم کرنا اور شفا ہونا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۰۷/فؤاد)۔ اور سوتے وقت آیت الکرسی پڑھنے سے اللہ تعالی کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہوجانا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۱۰/فؤاد)۔ ابن تین (محمد بن عبدالواحد م ۶۱۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معوذات اور اسمائے الٰہیہ سے دم کرنا طب روحانی ہے، جبکہ نیک لوگوں کی زبان سے ہو اللہ تعالی کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔ جب یہ علاج ناپید ہوا تو لوگ طب جسمانی کی طرف مجبور ہوئے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: قرآن وحدیث میں جو مختلف اعمال واحوال کی خاصیتیں مذکور ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں فی نفسہ یہ خاصیت ہے۔ باقی اگر کوئی معارض قوی ہوا تو ظاہر ہے کہ اس معارض کا اثر غالب ہو جائے گا۔ غرض ان میں اثر ضرور ہے بشرطیکہ کوئی معارض قوی نہ ہو۔ یہ حضرت مولانا (محمد) یعقوب صاحب (نانوتوی ۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) کی تحقیق ہے جو میں نے کہیں منقول نہیں دیکھی۔ سبحان اللہ! قرآن وحدیث پڑھے تو ایسے سے پڑھے۔ دیکھیے اس تحقیق سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نصوص جن میں مختلف اعمال واحوال کے فضائل مذکور ہیں، حل ہو گئیں۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۹/۴۶۷، ۱۷۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

٦٩ : **افضل القرآن وفاضلہ** : (قرآن مجید کے افضل اور فاضل) : کیا قرآن مجید کی بعض آیات

بعض سے افضل ہیں؟ اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ جو حضرات تفضیل کے قائل ہیں ان میں پھر اختلاف ہے کہ افضل ہونے کے کیا معنی ہیں؟ زیادہ ثواب ملنا ہے یا نظم قرآن کی خوبیاں زیادہ ہونا مراد ہے یا عمل زیادہ مفید ہونا مراد ہے یا معانی زیادہ عظمت والے ہونا مراد ہے یا کچھ اور مراد ہے؟

۷۰ : **فی مفردات القرآن** : (بعض آیات کی مخصوص خوبیاں جاننا) : جیسے مثلاً خیر اور شر کی جامع ترین آیت یہ ہے: **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان** (النحل: ۹۰)۔ اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو اور بھلائی کو۔ (موضح قرآن: ۳۵۸)۔ سب سے زیادہ توکل کی ترغیب والی آیت یہ ہے: **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** (الطلاق: ۳)۔ اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اس کو بس ہے۔ (موضح قرآن: ۷۲۴)۔ سب سے زیادہ امید والی آیت کے بارے میں ۱۰ سے زیادہ اقوال ہیں۔ حکم، معنی اور اعراب کے لحاظ سے مشکل ترین آیتوں میں سے ایک یہ ہے: **یا ایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم** (المائدہ: ۱۰۶)۔ اے ایمان والو! گواہ تمہارے اندر (موضح قرآن: ۱۶۱)۔ ایک قول کی رو سے سب سے زیادہ خوف والی آیت یہ ہے: **لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت** (المائدہ: ۶۳)۔ کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور ملا، گناہ کی بات کہنے سے، حرام کھانے سے!۔ (موضح قرآن: ۱۵۲)۔ ایک ایسی سورت ہے جس میں تین آیتیں ہیں اور دس واؤ ہیں! وہ سورہ عصر ہے۔ وغیر ذالک من لطائف التنزیل۔

۷۱ : **علم رسم خط القرآن** : (قرآن مجید کے رسم الخط کا علم) : قرآن مجید کی کتابت میں مصحف عثمانی (کے طریقے) کی پیروی بالاجماع واجب ہے۔ اور اس کے خلاف کرنا تحریف قرآن اور زندقہ کے حکم میں ہے۔ (جواہر الفقہ: ۷۱/۲، قرآن کریم کا رسم الخط اور اس کے احکام، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط: ۱۴۳۱ھ)۔ رسم خط عثمانی کا اتباع لازم ہے، اسے چھوڑ کر کسی دوسرے رسم خط میں اگرچہ وہ عربی ہی کیوں نہ ہو، اس میں قرآن کی کتابت جائز نہیں۔ (مصدر سابق: ۷۶/۲، نیز دیکھیے: تسہیل البیان فی رسم خط القرآن: ۶۵، مولانا قاری محمد نظر، البشری، کراچی، ط: ۱۴۳۴ھ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعدد مصاحف تیار کرا کے مختلف شہروں کی طرف بھیجے۔ اور ایک مصحف اپنے لیے خاص کیا۔ اسے ''امام'' کہتے ہیں۔ چونکہ مصاحف عثمانیہ نقاط اور حرکات و سکنات سے خالی تھے، لہٰذا ان میں یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ رسم الخط ایسا ہو کہ اس میں حتی الامکان تمام قراءتیں جمع ہو جائیں۔ اگر قراءتیں اس قدر مختلف ہوں کہ ایک جیسا رسم اختیار کرنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں ہر شہر کی طرف بھیجے گئے مصحف میں اس شہر میں اور اس کے اطراف میں رائج قراءت کے مطابق رسم الخط میں قرآن کریم لکھا گیا۔

مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ: **ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب.** (البقرہ:۱۳۲)۔اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب۔(موضح قرآن:۲۵)۔میں دو قرائتیں ہیں۔ **ووصی** ۔ **واوصی** ۔اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں قرائتیں ایک رسم میں نہیں سما سکتیں۔تو مدینہ اور شام کی طرف بھیجے گئے مصحف میں **واوصی** لکھا گیا، کیونکہ وہاں یہ قراءت رائج تھی۔اور کوفہ اور بصرہ کی طرف بھیجے گئے مصحف میں **ووصی** لکھا گیا، کیونکہ وہاں یہ قراءت رائج تھی۔اس لحاظ سے مصاحف عثمانیہ میں سے ہر مصحف سات حروف پر مشتمل نہیں تھا، بلکہ یہ تمام مصاحف مل کر سات حروف پر مشتمل تھے۔

(برصغیر کے مصاحف کا رسم الخط: ماہنامہ بینات: شوال ۱۴۳۶ھ، ص ۵۸، ۵۹ ملخصاً)

بعد میں مصاحف پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔اس کی غرض یہ تھی کہ قرآن مجید کو درست تلفظ کے پڑھنا آسان ہو جائے۔اس میں بھی علاقے کے لحاظ سے کچھ فرق ہوا۔عجمیوں کو درست تلفظ کے ساتھ جس طرح پڑھنا آسان تھا، ان کے مصحف پر اس طرح سے نقطے اور حرکات وسکنات کی علامتیں لگائی گئیں۔اور ایسے ہی اہل عرب کے ہاں ان کی سہولت کو پیش نظر رکھ کر حرکات وسکنات کی علامات لگائی گئیں۔مثلاً **اھدنا الصراط المستقیم** (الفاتحہ:۵) چلا ہم کو راہ سیدھی۔(موضح قرآن:۲)۔میں تین ہمزہ وصلی ہیں۔ برصغیر کے مصحف میں پہلے ہمزہ کے نیچے زیر ہے، اور باقی دونوں خالی ہیں۔اور مدینہ منورہ کے مصحف میں تینوں پر صاد کا سرا ہے۔(ماخذہ : فتوی دار العلوم کراچی: ۱/۲۰۱۳)۔اس وقت عالم اسلام میں تین طرح کے مصحف رائج ہیں: ۱: مشارقہ کا مصحف: یہ سعودیہ اور شام وغیرہ میں رائج ہے۔ ۲: مغاربہ کا مصحف: یہ الجزائر اور موریطانیہ وغیرہ میں رائج ہے۔ ۳: مصحف تاج: یہ برصغیر میں رائج ہے۔

(قرآنی رسم الخط: ماہنامہ بینات: ربیع الاول ۱۴۳۷ھ، ص ۴۲ ملخصاً)

قرآن مجید پر نقطے اور اعراب کس نے لگوائے؟ مشہور قول کی بنا پر خلیفہ عبد الملک بن مروان (۲۶ - ۸۶ھ) کے حکم سے حجاج بن یوسف نے نصر بن عاصم اور یحیٰ بن یعمر سے لگوائے۔(دیکھیے : مناہل العرفان: ۱/۴۰۶ - ۴۰۸) یہاں خط اور رسم الخط میں فرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔رسم الخط کے معنی ہیں رسم عثمانی کے مطابق ہونا۔اور خط کے معنی ہیں کلمہ کو اس کے ان حروف ہجاء سے لکھنا کو اس پر وقف وابتدا کے وقت پائے جائیں۔چنانچہ مثلاً العلمین خط اور رسم الخط دونوں کے مطابق ہے۔اور العالمین میں خط تو ہے، لیکن رسم الخط نہیں۔شکل وصورت کے اعتبار سے خط کی بارہ قسمیں ہیں: معقلی، قیراموزی، حیری، کوفی، نسخ، ثلث، ریحان، توقیع، محقق، رقاع، تعلیق، نستعلیق۔(تسہیل البیان: ص ۷ - ۹ ملخصاً)

برصغیر کے مصحف کے رسم الخط کی صحت، استناد اور خوبیوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ۱: برصغیر کے

مصاحف کا رسم الخط، تاریخی و تحقیقی جائزہ: ڈاکٹر محمد شفاعت ربانی، ریسرچ سکالر، قرآنک ریسرچ سینٹر، شاہ فہد قرآن کمپلیکس، مدینہ منورہ۔۲: **رسم مصحف مطبعة تاج :دراسة نقدية مقارنة**، لہ ایضا۔۳: **نشر المرجان فی رسم نظم القرآن** : شیخ محمد غوث بن ناصر الدین ارکاتی ہندی (۱۱۶۶ - ۱۲۳۸ھ) کچھ عرصہ پہلے بعض کرم فرماؤں نے برصغیر کے مصحف کے رسم الخط کو غلط قرار دینا شروع کیا تھا۔ سو یہ ان کی ناواقفیت یا عصبیت تھی۔

۷۲ : **تفسیر القرآن الکریم وتاویلہ وشرفہ وشروط المفسر وطبقات المفسرین:**
(قرآن مجید کی تفسیر اور تاویل اور اسکی فضیلت جاننا، اور مفسر کی شروط جاننا، اور مفسرین کے طبقات جاننا):
قرآن مجید کی تفسیر جاننا فروض کفایات میں سے ہے۔ اور تین شرعی علوم (تفسیر، حدیث، فقہ) میں سے سب سے زیادہ فضیلت والا علم ہے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں جو (صحابہ) قرآن پڑھاتے تھے جیسے حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ، انھوں نے بتایا کہ وہ جب نبی اکرم ﷺ سے قرآن مجید کی دس آیتیں سیکھتے تھے، تو اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان میں جو علم و عمل ہے اسے پوری طرح حاصل نہ کر لیتے۔ (مسند احمد: ۲۳۴۸۲/اسنادہ حسن: قالہ محققوا المسند) وہ حضرات فرماتے تھے کہ پس ہم نے قرآن، علم اور عمل اکٹھا سیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک سورت یاد کرنے میں بہت وقت لگاتے تھے۔

قرآن مجید کی تفسیر سب سے پہلے قرآن مجید میں تلاش کرنی چاہیے۔ کیونکہ ایک جگہ جو مضمون اجمالاً آیا ہے، وہ بسا اوقات دوسری جگہ تفصیل سے بھی آتا ہے۔ اس کے بعد احادیث نبویہ میں۔ پھر اقوال صحابہ میں، پھر تابعین کے اقوال میں، پھر لغت عرب میں، پھر عقل سلیم سے۔ (علوم القرآن: ۳۲۱-۳۴۳، ملخصاً)۔ صحابہ اور تابعین کے تفسیری اقوال میں اختلاف کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ حضرات مثال کے درجے میں بھی تفسیر بیان کرتے تھے، ان کا مقصود تحدید کرنا نہیں ہوتا تھا۔ اور کبھی اختلاف صرف تعبیر کی حد تک ہوتا ہے، معنی اور مراد میں اختلاف نہیں ہوتا۔

مفسر کے لیے ۱۵/علوم جاننا ضروری ہے۔ ۱: لغت۔ ۲: صرف۔ ۳: اشتقاق۔ ۴: نحو۔ ۵-۷: معانی، بیان اور بدیع۔ ۸: قراءات۔ ۹: اصول دین۔ ۱۰: اصول فقہ۔ ۱۱: اسباب نزول وقصص۔ ۱۲: ناسخ ومنسوخ۔ ۱۳: فقہ۔ ۱۴: تفسیر سے متعلق احادیث۔ ۱۵: وہبی علم۔ یہ علوم مفسر کے لیے آلہ ہیں۔ ان علوم کے بغیر تفسیر کرنے والا رائے مذموم سے تفسیر کرنے والا ہے۔ اور ان کے ساتھ تفسیر کرنے والا رائے محمود سے تفسیر کرنے والا ہے۔ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اکیلے کلمات کی تحقیق کرے۔ لغت کے لحاظ سے کلام کرے، پھر

صرف کے لحاظ سے، پھر اشتقاق کے لحاظ سے، پھر نحو، پھر معانی، پھر بیان، پھر بدیع کے لحاظ سے، پھر معنی مراد کھولے، پھر استنباط کرے، اور پھر اشارات بیان کرے۔

صحابہ کرام میں سے دس حضرات تفسیر میں مشہور تھے۔ خلفائے اربعہ، عبد اللہ بن مسعو، عبد اللہ بن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری، عبد اللہ بن زبیر۔ رضی اللہ عنہم۔ خلفائے ثلاثہ سے تفسیری روایات بہت کم منقول ہیں۔ شاید ان کی وفات پہلے ہوجانے کی وجہ سے ایسے ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے تفسیری روایات سب سے زیادہ منقول ہیں۔ انھیں ترجمان القرآن اور امام المفسرین کہا جاتا ہے۔ البتہ ان سے منقول روایات کا ایک بڑا حصہ سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی: **اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل**۔ (مسند احمد: ۲۳۹۷/۷، اسنادہ قوی: قالہ محققوا المسند) اے اللہ اسے دین میں فقیہ بنا، اور اسے تاویل سکھا۔

تابعین میں سے مشہور مفسرین درج ذیل ہیں: ۱: مجاہد بن جبر مخزومی مکی۔ ۲: سعید بن جبیر کوفی۔ ۳: عکرمہ مولی ابن عباس۔ ۴: طاؤس بن کیسان حمیری۔ ۵: عطاء بن ابی رباح مکی۔ تابعین کے دور میں عطاء کے نام سے چار مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ صرف عطاء کے لفظ سے عموما عطاء بن ابی رباح ہی مراد ہوتے ہیں۔ ۶: سعید بن مسیّب مخزومی مدنی۔ ۷: محمد بن سیرین بصری۔ ۸: زید بن اسلم مدنی۔ ۹: ابوالعالیہ رُفَیع بن مہران ریاحی بصری۔ ۱۰: عروہ بن زبیر۔ ۱۱: حسن بن ابی الحسن یسار بصری۔ ۱۲: قتادہ بن دِعامہ سدوسی بصری۔ ۱۳: محمد بن کعب قرظی۔ ۱۴: علقمہ بن قیس نخعی کوفی۔ ۱۵: اسود بن یزید نخعی کوفی۔ ۱۶: مرہ بن شراحیل ہمدانی کوفی۔ ۱۷: نافع بن ہرمز نیشاپوری۔ ۱۸: عامر بن شراحیل شعبی حمیری۔ ۱۹: عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ مکی۔ (علوم القرآن: ۴۶۱ - ۴۸۵ ملخصاً)

چند اہم عربی تفاسیر: حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چونکہ ہمتیں پست ہوگئیں لہٰذا میں اپنے طالب علم بھائیوں کو کچھ تفاسیر بتاتا ہوں، جو ان پر قناعت کرنا چاہے اسے کافی ہوں گی۔ ۱: تفسیر ابن کثیر۔ ۲: تفسیر رازی۔ ۳: تفسیر ابی سعود۔ ۴: تفسیر آلوسی۔ (یتیمۃ البیان: ۲۳، ۲۴ ملخصاً) حضرت تقی نے ان چار کے ساتھ پانچویں تفسیر قرطبی بھی ذکر فرمائی ہے۔ (علوم القرآن: ۵۰۵)

چند اہم اردو تراجم وتفاسیر: ۱: موضح قرآن: حضرت شاہ عبد القادر دہلوی (۱۱۶۷ - ۱۲۳۰ھ) کا بامحاورہ اردو ترجمہ اور تفسیری فوائد پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ (موضح قرآن) کی ہیں۔ (مستند موضح قرآن: ۳۰)۔ اس کا صحیح ترین نسخہ مستند موضح قرآن کے نام سے ایچ

ایم سعید کراچی سے طبع ہوا ہے۔موضح قرآن کی خوبیوں کی تفصیل کے لیے مولانا اخلاق حسین دہلوی کی کتاب ''محاسن موضح قرآن'' قابل دید ہے۔۲: موضح فرقان: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ سے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کا اصرار کیا گیا تو آپ نے موضح قرآن کی تسہیل وتشریح کو کافی قرار دیا، اور اسے موضح فرقان نام دیا۔اس کے خطبہ میں حضرت شیخ الہند نے موضح قرآن کی خوبیوں پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے۔ اس پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے تفسیری حواشی تحریر فرمائے۔ یہ مجموعہ تفسیر عثمانی کے نام سے مطبوع ہے۔ ۳: بیان القرآن :حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی۔مکتبۃ البشری نے حال ہی میں مخطوط کی مراجعت سے تصحیح کر کے اسے شائع کیا ہے۔۴: تفسیر حقانی: مولانا عبدالحق حقانی دہلوی (۱۲۶۷ - ۱۳۳۵ھ)۔ ۵،۶: معارف القرآن: حضرت مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی دونوں کی تفسیریں اسی نام سے ہیں۔حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (۱۱۶۳ - ۱۲۳۳ھ) کی طرف قرآن مجید کا ایک لفظی ترجمہ منسوب اور مشہور ہے۔مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کی تحقیق کے مطابق حضرت کی طرف اس ترجمے کی نسبت قابل اعتماد طریقے سے ثابت نہیں۔

قرآن مجید کا ترجمہ کتنا نازک کام ہے؟اس کا اندازہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے دو رسالوں سے بخوبی ہوسکتا ہے۔''اصلاح ترجمہ دہلویہ'' اور ''اصلاح ترجمہ مرزا حیرت''۔پہلے میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمے کی غلطیاں ظاہر فرمائی ہیں، اور دوسرے میں مرزا حیرت دہلوی کے ترجمے کی۔اور فرماتے ہیں: مشاہدہ شاہد ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ گو اُردو ہی میں ہو، خود دیکھنا اور کسی استاد سے سبقاً سبقاً نہ پڑھنا، بجائے ہدایت کے گمراہی کا سبب ہوجاتا ہے۔(ملفوظات حکیم الامت: ۱۱۹/۵، ۱۲۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)۔اور ارشاد ہے: قرآن مجید کا اگر اردو میں ترجمہ ہو تو شاہی کلام کے طرز کا ہونا چاہیے۔سلاطین کے محاورات کی اس میں رعایت ضروری ہے۔بازاری اور عام محاورات سے پاک ہونا ضروری ہے۔

(خطبات حکیم الامت: ۱۸/۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ط: ۱۴۳۰ھ)

شیخ سیوطی مرحوم نے الاتقان میں ہر نوع کے شروع میں، اس کے بارے میں مستقل تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے۔اس سے علمائے امت محمدیہ - علی صاحبہا الف الف تحیۃ - کے قرآن مجید کے ساتھ اشتغال اور انہماک کا اندازہ ہوتا ہے، کہ کتاب مجید کے کس کس پہلو پر مستقل کام کیا ہے۔**فجزاهم الله تعالی عن جميع المسلمين خيرا** ۔آمین

☆......☆......☆......☆

وفیات (فروری ۲۰۲۲ء تا فروری ۲۰۲۳ء)

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور بلندئ درجات کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

-امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی ؒ کے برادرِ صغیر محمد اکرم رحمہ اللہ [فروری ۲۰۲۲ء]

-مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے پوتے شیخ الحدیث مولانا محمود اشرف عثمانی رحمہ اللہ [فروری ۲۰۲۲ء]

-مولانا جمیل الرحمٰن عباسی کی والدہ محترمہ، چچا امیر احمد اور ماموں عبد الغفار رحمہم اللہ [مئی، جون ۲۰۲۲ء]

-مولانا مفتی عبد الجلیل رحمہ اللہ، کوٹ ادو [جون ۲۲ء] -حافظ نواز رحمہ اللہ، کہروڑ پکا [جولائی ۲۲ء]

-شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو کے ساتھی حافظ رمضان کھوڈیو رحمہ اللہ [جون ۲۲ء]

-میاں رضوان نفیس صاحب کے والد محترم رحمہ اللہ [۴ر جولائی ۲۲ء]

-عمر، عثمان کی دادای، افضل صاحب [اچھرہ لاہور] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [جولائی ۲۲ء]

-مولانا عبد الصمد مدظلہ [معاون مہتمم: دار العلوم مدنیہ بہاول پور] کی والدہ محترمہ [اگست ۲۲ء]

-مولانا قاری عطاء اللہ، مولانا قاری ضیاء اللہ [کھاریاں] کے والد حافظ محمد عظیمؒ [اگست ۲۲ء]

-جامعہ بنوریہ عالمیہ کے رئیس دار الافتاء مفتی سیف اللہ جمیل رحمہ اللہ [اگست ۲۲ء]

-جناب محمد افضل خان [ملتان] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [اگست ۲۲ء]

-قائد اہل سنتؒ کے فرزند نسبتی پروفیسر عمر اسعد [تلہ گنگ] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [۴ر ستمبر ۲۲ء]

-جامعہ مدنیہ جدید لاہور کے استاذ الحدیث مولانا امان اللہ رحمہ اللہ [ستمبر ۲۲ء]

-جامعہ خالد بن ولید وہاڑی کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد قاسم رحمہ اللہ [۹ر ستمبر ۲۲ء]

-مولانا ندیم انور [بہاول پور] کی رضاعی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [ستمبر ۲۲ء]

-جناب عبد الغفور المعروف چاچا طالبان رحمہ اللہ، جہان سومرو، سندھ [ستمبر ۲۲]

-مولانا ثوبان [فاضل: دار العلوم ندیہ بہاول پور] کے والد ڈاکٹر جہانزیب رحمہ اللہ [ستمبر ۲۲ء]

-مولانا مفتی عنایت الکریم [ملتان] کے چچازاد بھائی احتشام اعظم اور بھتیجے رحمہما اللہ [ستمبر ۲۲ء]

-مجلّہ صفدر کے قاری مولانا مفتی زبیر احمد [چنی گوٹھ] رحمہ اللہ [۲۰ر ستمبر ۲۲ء]

-مولانا عمران معاویہ [مکتبہ الفرقان لاہور] کے والد محترم رحمہ اللہ [اکتوبر ۲۲ء]

-مولانا قاضی محمود الحسن اشرف [آزاد کشمیر] کے بھتیجے صہیب نذیر رحمہ اللہ [اکتوبر ۲۲ء]

-مولانا سعید [صوابی] کے والد گرامی رحمہ اللہ [۲۹ر اکتوبر ۲۲ء]

-جامعہ خیر المدارس ملتان کے استاذ قاری محمد اقبال رحیمی کی اہلیہ محترمہ رحمہا اللہ [نومبر ۲۲ء]

-مولانا قاضی عبد الرؤف چکوال کے والد محترم رحمہ اللہ [نومبر ۲۲ء]

-جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے سابق شیخ الحدیث مولانا عبدالحمید تونسوی رحمہ اللہ [نومبر ۲۲ء]
-کوثر مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن بہاول پور کے سابق مؤذن حافظ محمد صادق رحمہ اللہ [نومبر ۲۲ء]
-جامعہ عباسیہ بہاول پور کے مدرس مولانا اعجاز احمد رحمہ اللہ [نومبر ۲۲ء]
-جامعہ خیر المدارس ملتان کے استاذ الحدیث مولانا خورشید احمد رحمہ اللہ [۱۷؍نومبر ۲۲ء]
-جامعہ دار العلوم کراچی کے صدر مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ [۱۸؍نومبر ۲۲ء]
-جامعہ عمر بن خطاب ملتان کے مہتمم مولانا کریم بخش رحمہ اللہ [نومبر ۲۲ء]
-مولانا قاری خبیب عمرؒ کے فرزند نسبتی مولانا غلام حسن کی ہمشیرہ رحمہا اللہ [نومبر ۲۲ء]
-مولانا جمیل الرحمٰن اختر لاہور کے ماموں زاد بھائی حاجی محمد عزیر رحمہ اللہ [نومبر ۲۲ء]
-کتاب ''تیسیر مصطلح الحدیث'' کے مصنف شیخ محمود طحان رحمہ اللہ [۲۴؍نومبر ۲۲ء]
-حکیم محمد فاروق [فاروقی دواخانہ اچھرہ لاہور] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [نومبر ۲۲ء]
-مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ رحمہا اللہ [دسمبر ۲۲ء]
-جامعہ دار القرآن فیصل آباد کا طالب علمؒ [دسمبر ۲۲ء] -اعجاز صاحب کی ہمشیرہ رحمہا اللہ [دسمبر ۲۲ء]
-قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے دیرینہ ساتھی مولانا محمد سلیم رحمہ اللہ [دسمبر ۲۲ء]
-تلمیذ امام اہل سنتؒ مولانا یعقوب قصوری رحمہ اللہ [دسمبر ۲۲ء]
-تلمیذ امام اہل سنتؒ مولانا قاری حمید الرحمٰن رحمہ اللہ، حویلی لکھا، آزاد کشمیر [دسمبر ۲۲ء]
-مولانا محمد الیاس صاحب [ساکہ گجرات] کے سسر محترم رحمہ اللہ [دسمبر ۲۲ء]
-دار العلوم دیوبند کے قدیم استاذ، تلمیذ مدنی، مولانا بلال اصغر رحمہ اللہ [۱۹؍جنوری ۲۳ء]
-مولانا شاہد عمران عارفی [ساہیوال] کے بڑے بھائی رحمہ اللہ [جنوری ۲۳ء]
-مولانا عطاء اللہ فاروقی بہاول پور کے والد مولانا غلام عباس رحمہ اللہ [جنوری ۲۳ء]
-معروف نعت خواں قاری محمد حنیف [بہاول پور] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [جنوری ۲۳ء]
-شیخ الحدیث مولانا نواز سیال ملتان کی اہلیہ رحمہا اللہ [فروری ۲۳ء]
-کوہاٹ کشتی حادثے، پشاور مسجد حادثے اور مختلف سڑک حادثات میں شہید ہونے والے مسلمانؒ
-مولانا قاری عبید الرحمٰن ضیاء [مانسہرہ] کی خالہ محترمہ رحمہا اللہ [فروری ۲۳ء]
-مولانا مفتی محمد راشد مدنی [رحیم یار خان] کی والدہ رحمہا اللہ [فروری ۲۳ء]
-دار العلوم مدنیہ بہاول پور کے سابق استاذ الحدیث مولانا سعید الرحمٰن رحمہ اللہ [۱۰؍فروری ۲۳ء]
-شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی اکلوتی صاحبزادی رحمہا اللہ [۱۵؍فروری ۲۳ء]
-حاجی مشتاق احمد [گجرات] کے فرزند کرنل (ر) عمر شہزاد رحمہ اللہ [۲۱؍فروری ۲۳ء]